

492

حالات

649

رحمة الله عليه

# مجلد الف ثانی

مؤلف: مولانا نظام الدین توکلی،



مکتبہ خانوار، مسلم مسجد، لاہور





# تاریخ وفات حضرات نقشبندیہ

نام بزرگان	تاریخ وفات	مقام خزاں شریف
ت سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم	۱۲ ربیع الاول سنہ ۱۱ھ	مدینہ شریف
« ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ »	۲۲ جمادی الثانی ۱۳ھ	« «
« سلمان فارسی »	۱۰ رجب ۳۳ھ	مدائن
« امام قاسم بن محمد بن ابوبکر »	۲۴ جمادی الاول ۱۰۷ھ	مدینہ شریف
« امام جعفر صادق »	۱۵ رجب ۴۸ھ	بغداد شریف
« بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ »	۱۵ شعبان ۲۶۱ھ	بسطام شریف
« خواجہ ابوالحسن خرقانی »	۱۰ محرم ۳۳۵ھ	خرقان شریف
« ابوالقاسم گورگانی »	۲۳ صفر ۴۵۰ھ	گورگان شریف
« خواجہ ابوعلی فارمدی »	۴ ربیع الاول ۴۷۷ھ	طوس
« خواجہ یوسف ہمدانی »	۲۷ رجب ۵۳۵ھ	مرد
« خواجہ عبدالحق نجدوانی »	۱۳ ربیع الاول ۵۷۵ھ	نجدوان
« خواجہ عارف ریوکی »	یکم شوال ۶۱۶ھ	ریوکر
« خواجہ محمود الخبیر فغنوی »	۱۷ ربیع الاول ۷۱۵ھ	الخبیر
« خواجہ عزیزا علی رامیتنی »	۲۷ ذیقعد ۷۲۱ھ	خوارزم
« خواجہ محمد بابا ساسی »	۱۰ جمادی الثانی ۷۵۵ھ	ساس

حضرت سید امیر کلال رحمۃ اللہ علیہ

» خواجہ باباؤالدین نقشبند »

» خواجہ علاؤالدین »

» خواجہ یعقوب چرخي »

» خواجہ عبید اللہ اجراء »

» خواجہ محمد زاہد »

» خواجہ درویش محمد »

» خواجہ الکنگي »

» خواجہ محمد باقی عرف »

» باقی باللہ »

» امام ربانی مجدد الف ثانی »

» شیخ احمد سرہندی »

» خواجہ محمد معصوم »

۸، جمادی الاول ۷۷۲ھ

۳، ربیع الاول ۷۹۱ھ

۲۰، رجب ۸۰۲ھ

۵، صفر ۸۵۱ھ

۲۹، ربیع الاول ۸۶۵ھ

یکم ربیع الاول ۹۲۶ھ

۱۹، محرم الحرام ۹۷۰ھ

۲۲، شعبان ۱۰۰۸ھ

۲۵، جمادی الثانی ۱۰۱۲ھ

۲۸، صفر ۱۰۳۴ھ

۹، ربیع الاول ۱۰۷۹ھ

کو خمار

بخارا

نوپونغانیان

چرخ اغزا

تاشقند

درخش

استرا

الکنگ

دہلی

سرہند شریف

»

»

»

حالات

حضرت مجدد الف ثانی  
رحمۃ اللہ علیہ

نظام الدین محمدی توکل

مکتبہ خاور - مسلم بیڈ ۰ لاہور

53352

سن اشاعت — ۱۹۶۶ء

تعداد — ایک ہزار

ناشر — مکتبہ خاور لاہور

باعتبار — محمد عظیم

مطبع — جیون پرنٹنگ پریس لاہور

قیمت

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

آج برصغیر پاک و ہند میں جس طرف نظر دوڑائیے کفر و اسلام کو متحد کرنے کی سر توڑ کوششیں ہو رہی ہیں۔ طرح طرح کی ریشہ دوانیوں سے مسلمانوں کا ایمان بال توحید شرک و کفر کی دھندلی فضاؤں میں بھینسا جا رہا ہے۔ خدائے واحد کے پوجنے والوں کو ایسے ایسے خوش نمابت جن پر اخلاص، محبت اور ہر کام کی کارگیری سے ملمع چڑھایا گیا ہے۔ ہفت عطا کئے جا رہے ہیں۔ بڑے بڑے صاحب علم و دانش بھی لپچائے بغیر نہیں رہ سکتا۔ وہ مسلمان جن کی گردنیں خدائے قدوس کے سوا کسی کے آگے نہ بکیں۔ آج ان ہی کی نسلیں خدائے دشمنوں کے آگے دل و دماغ فرشِ راہ کئے ہیں۔ محبوبِ رسول اللہ علیہ وسلم کی محبت اور اطاعت کا دم بھرنے والے آج مکار، شعبدہ باز مشرکوں اور دار کو سنت نبویہ میں شمار کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں۔ مسلمان کا ایمان ضائع کرنے کے لئے شیطانی دجل ہر روز نئی ایجادات اپنے کام میں لا رہا ہے۔ افسوس کا مقام ہے کہ مسلمان بند کئے اس کی تقلید کر رہے ہیں۔

دسویں صدی ہجری کی غربتِ اسلام پر نظر دوڑائیے۔ آج کے حالات کا جائزہ لیجئے۔ آپ صحت تھوڑا فرق نظر آئے گا۔ اس وقت مسلمانوں کی بھنور میں پھنسی ہوئی کشتی حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ نے مینیشیں اور تکلیفیں جھیل کر کنارے لگائی۔ آج بھی انہی کا مسلک اور عقیدت سے نکال کر اوجِ ثریا پر پہنچا سکتا ہے۔

بزرگوں نے حضرت امام ربانی کی سوانح حیات بہت لکھی ہیں اور ملتِ اسلامیہ کے اس عظیم کے آستانہ عالیہ پر عقیدت کے پھول بدیہ گزارے ہیں۔ یگانہ میں زیادہ تر اہلِ معرفت کا ذکر

ہے جن کی بلندیوں تک ہمارے دستِ ہمت پہنچنے سے قاصر ہیں۔ راقم الحروف نے نہایت سلیس و سادہ طور پر حضرت امام ربانی کے حالات اور آپ کے وہ ارشادات جن کا جاننا ہر شخص کے لئے ضرور سے جمع کئے تاکہ مسلمان بیدار ہو اور احساس کرے کہ دنیا میں میرا مقصد حیات کیا ہے۔

حضرت امام ربانی کے مقامات کی سیر تو ان لوگوں کا مستحب ہے جن کو ذَا اِلٰکَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِیْهِ مِنْ شَآءٍ کَا مَسْدَاقٍ کُنَابَاتَا ہے۔ مجھ ایسے بصیرت روحانیت سے خالی شخص ان اسرارِ معارف میں دم زدنی کی کیا شوخی کر سکتا ہے۔ یہ وہ مقامات ہیں جن کو حضرت امام ربانی ہی بیان ہیں اور یہ آپ ہی کا حصہ ہے۔

ہزاروں سال زرخس اپنی بے نوری پہ روتی ہے

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ و رپیدا

جہاں تک مجھ ایسے بے بضاعت لوگوں کا تعلق ہے صرف ایمان بالتوحید اور اتباع سنت

ابتدائی مدارج ہی سمجھ لیں تو ان کے لئے قابلِ صد فخر ہے۔ کیونکہ یہی وہ بنیاد و اساس ہے جس پر تفضل و تکمیل

کی دیواریں کھڑی کر کے روحانیت کی عمارت بنتی ہے، اور جس روحانیت کی بنیاد یہ نہیں وہ عمارت خراب

کتنی ہی خوش منظر اور جاذبِ نظر ہو، مسلمان کی نظروں میں مردود ہے۔ صرف یہی ایک مقصد تھا جس کے پیش

راقم الحروف نے حضرت امام ربانی کی سوانح تحریر کرنے کے لئے کمر ہمت باندھی تاکہ ہر مسلمان اسی اساس و بنیاد

اپنے اعتقاد و عمل کا انحصار سمجھے۔ امید کرتا ہوں کہ اہل علم حضرات اور بزرگانِ طریقت میری اس محنت کا احسان

خیال میں لاتے ہوئے میری نغز سٹوں سے درگزر کے دعائے خیر سے یاد فرمائیں گے۔

نظام الدین توکلی



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

## دسویں صدی کا ہندوستان

دسویں صدی ہجری میں ہندوستان کی حالت مذہبی حیثیت سے انتہائی ناگفتہ بہ تھی۔ یوں تو اس وقت کی حکومت کو اسلامی حکومت کہا جاتا تھا لیکن اسی حکومت کے ہاتھوں اسلام کی گت بنی ہوئی تھی۔ اسلام کی ایک ایک پیڑ کی بے حرمتی کی جا رہی تھی۔ اسلام سے تمسخر کیا جاتا تھا۔ مساجد کی بے حرمتی معمولی بات تھی شکر و بدعت کا دور دورہ ہوتا۔ یہ وہ وقت تھا جب شہنشاہ اکبر تخت پر تھا۔

شہنشاہ اکبر

شہنشاہ اکبر پہلے پہل تو اسلام کی طرف مائل تھا مگر بعد میں لاندہب اور بے دین لوگوں کی صحبت نے اسے گمراہ کر دیا۔ یہاں تک کہ دین اسلام سے اسے اچھی خاصی خند

اور دشمنی پیدا ہوگئی اور اسلامی روایات اور معتقدات اسے ناقابلِ غور نظر آنے لگے۔  
 اکبر خود تو ان پڑھ تھا اور پھر قیامِ سلطنت کے لئے اس نے ایسا سیاسی پہلو اختیار  
 کیا جس سے کہ وہ بزمِ خوش رعایا کے دل میں گھر کر سکے۔ اکثریت ہندوؤں کی نفی مسلمان  
 اس وقت ۵-۶ فیصد تھے اس لئے اکبر نے مذہب پر سیاست کو ترجیح دی اور مسلمانوں  
 کے سوا ہر ایک مذہب کی ولداری شروع کر دی۔ ہر مذہب کے علماء کا اجتماع کرانا ان کے مباحثے  
 سننا شروع کر دیا۔ اگر اپنے مذہب سے واقف ہوتا تو شاید اس کی یہ حالت نہ ہوتی مگر بے علمی کی  
 وجہ سے خیالات ہیں انھیں پیدا ہوگئی اور مذہب کی اصلاح کے لئے ایک نیا دین ”دینِ الہی“  
 کے نام سے رائج کر دیا۔

## دینِ الہی

اکبر کے جاری کردہ دینِ الہی میں سورج کی پرستش چار وقت لازمی قرار دی گئی۔ اسی  
 طرح آگ، پانی، درخت، گائے، کپڑا، نقشہ لگانا، جینیو پہننا بھی شامل کیا گیا۔ سٹور کو پاک قرار  
 دیا گیا۔ منکر و کبیر، حشر و نشر، حساب و میزان وغیرہ اسلامی معتقدات کا انکار کر کے مسئلہ تاسخِ  
 کو مانا گیا۔ دینِ الہی قبول کرنے کے لئے اس عہد نامہ کا اقرار کرنا پڑتا تھا۔

”میں فلاں بن فلاں ہوں۔ اپنی خواہش و رغبت اور ولی شوق سے دینِ اسلام مجازی اور  
 تقلیدی کو ترک کر کے اکبر تھا ہی دینِ الہی میں داخل ہونا ہوں اور اس دین کے اخلاص کے چاروں  
 مرتبے یعنی ترکِ مال، ترکِ جان، ترکِ ناموس و عزت، ترکِ دین قبول کرتا ہوں۔“

”دینِ الہی“ میں بادشاہ کو سجدہ واجب قرار دیا گیا۔ سوز، جوا اور شراب کو سلال قرار دیا گیا۔  
 دارمی منڈانا بھی اکبری دین کا ایک شعار تھا۔ غسل جنابت کو مسوخ قرار دیا گیا۔ رسمِ ختنہ اڑانے

کے لئے یہ قانون بنایا گیا کہ بارہ سال سے چھوٹے بچے کا ختنہ نہ کیا جائے چکلہ خانے کھولے گئے اور زنا کی کوئی ممانعت نہ تھی۔ نیز مردہ کو شرقاً و غرباً دفن کرنے کا حکم دیا گیا جس میں اس کا سر مشرق کی طرف اور پاؤں مغرب کی طرف رکھے جائیں۔ خود اکبر مغرب کی طرف پاؤں کر کے سوتا تھا۔

## اکبری عہد میں اسلامی تہذیب و تمدن

دین الہی کی ترویج کے علاوہ کفار مساجد کو بے تحاشا منہدم کر کے اس جگہ مندر بنا لیتے اور اعلانیہ کفر کی رسوم انجام دیتے مگر مسلمان احکام اسلام بجالانے سے مجبور ہو گئے۔ کائنات کا ذبیحہ ممنوع قرار دیا گیا۔ اس کے علاوہ عربی پڑھنا، عربی جاننا عیب قرار دیا گیا اور فقہ حدیث و تفسیر کے پڑھنے والے مرد و دو ملعون ٹھہرائے گئے اور علماء و مشائخ کے نام جو جاگیریں صدیوں سے چلی آرہی تھیں ان میں دست اندازی کی گئی۔ خطبہ میں جناب فخر الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی لینے کی کسی کو جرأت نہ ہوتی، حتیٰ کہ دربار اکبری میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اعلانیہ توہین کی جانے لگی اور اپنے خاص مقربین کے نام جن میں محمد یا احمد کا لفظ آتا تھا تبدیل کر دئے۔ دیوان خانہ میں کسی کی مجال نہ تھی کہ اعلانیہ نماز ادا کر سکے۔

یہ ہے عہد اکبری میں اسلام کی حالت کا اجمالی ذکر۔ غرض کہاں تک بیان کیا جائے اس وقت اسلام کتنا غریب تھا اور ایسے وقت میں توحید و سنت کے پیرو کسی گزران کرتے تھے۔ اس تاریک دور میں اللہ تعالیٰ نے اس وقت کی اصلاح کے لئے اپنے ایک مقبول بندے کا انتخاب فرمایا جو مجدد بن کر شیخ احمد فاروقی کے نام نامی سے دنیا کے سامنے آیا۔

## سرہند شریف

جہاں سرہند شہر آباد ہے قدیم زمانے میں یہاں جنگل تھا اور شیروں کا مسکن تھا جب یہاں شہر آباد ہوا تو اسی نسبت سے اس کا نام "شیرہند" رکھا گیا جو آج کل سرہند شریف کے نام سے مشہور ہے۔ یہاں سے تھوڑے ہی فاصلے پر ایک گاؤں بروہن نام سے مشہور ہے جہاں کہ انبیاء علیہم السلام کی قبریں ہیں۔

فیروز شاہ تغلق جب پنجاب کا خزانے کے دروہی جا رہا تھا تو اس مقام پر پہنچا لشکر میں ایک ولی اللہ بھی تھے انہیں کشف سے معلوم ہوا کہ اس جگہ ہجرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہزار سال بعد ایک ایسا شخص پیدا ہوگا جو اپنے کمالات کے باعث وحید الامت ہوگا۔ چنانچہ فیروز شاہ تغلق نے اس کی بنیاد اسی وجہ سے رکھائی۔ اس کی بنیاد حضرت امام رفیع الدین جو حضرت امام ربانی کے اسلاف سے نہایت باورع اور ولی اللہ ہیں اور حضرت شاہ بر علی قلندر کے مبارک ہاتھوں سے رکھی گئی۔

سرہند شریف کی بنیاد رکھا جانا اس واقعہ کی یاد تازہ کر دیتا ہے جب حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت خضر علیہ السلام نے ایک ٹوٹی ہوئی تمیوں کی دیوار کو از سر نو تعمیر کیا تھا



اور حضرت خضرؑ نے حضرت موسیٰؑ سے تختہ کز لکھنا ارشاد فرمایا تھا جیسے ظاہر وہاں کے جامع کمالات حضرات نے اس مبارک کام کو انجام دیا تھا اسی طرح سرہند کی بنیاد بھی حضرت امام رفیع الدین اور حضرت بوعلی شاہ قلندر کے ہاتھوں رکھی گئی اور پھر حضرت امام ربانی سے بڑھ کر کوئی سا خزانہ ہندوستان کو میسر آ سکتا ہے۔

## ولادت باسعادت

ای سرہند شریف میں فاروقی مشائخ کے ناندان میں ایک بزرگ مولانا شیخ عبدالاحد جو سیدنا عبدالقدوس گنگوہی کے خلیفہ اور سلسلہ چشتیہ کے بہت بڑے صاحب نسبت تھے اور طریقہ قادریہ میں بھی آپ کو اجازت حاصل تھی، ایک رات خواب دیکھتے ہیں کہ تمام جہان میں تار کی پھیلی ہوئی ہے۔ سوڑا بند زار پچھ لوگوں کو ہلاک کر رہے ہیں۔ بیک ایک سیر سینے سے ایک نور نکلا جس میں سے ایک تخت نمودار ہوا اور اس پر ایک بزرگ تکبیر لگائے بیٹھے ہیں۔ ان کے سامنے تمام ظالم بے دین اور ملحد فرج کیے جا رہے ہیں اور کوئی ندا اپنے والادادیتا ہے جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ۔ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوٰكًا

حضرت شیخ نے بیدار ہو کر اس مسرت آمیز خواب کی تعبیر اپنے مرشد کامل قطب دُوراء حضرت شاہ کمال کنتیلی سے دریافت کی۔ شاہ صاحب نے فرمایا ”تمہارے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوگا جس سے الحاد اور بدعت دور ہوگا۔“ چنانچہ ۱۰ شوال ۹۷۱ھ جمعہ کی شب میں اس مبارک خواب

کی تعبیر صادق ہوئی اور تجد و تنور کا آفتاب صبح صادق سے پیشتر اس جہاں پر طلوع ہوا۔

آپ کا نام نامی احمدؒ بتخویر ہوا۔ بچپن ہی سے وہ سنا دین جو رب العالمین نے آپ کو عطا کی

تھیں آپ سے ظہور میں آنے لگیں اور عام بچوں کی سی کوئی عادت بھی آپ میں نہ پائی۔

## تعلیم

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی سیدنا شیخ احمد سرہندیؒ نے اکثر کتابیں اپنے والد بزرگوار سے پڑھیں اور کچھ سرہند شریف کے دوسرے علماء سے پھوٹے ہی عرصہ میں آپ نے قرآن مجید حفظ کر لیا اور سترہ برس کی عمر میں تمام علوم سے فارغ ہو گئے اور پھر غوراً زمانہ درس و تدریس دینے کے بعد آپ آگرہ تشریف لے گئے اور ابوالفضل اور فیضی سے ملاقات کی۔ ان دونوں نے آپ کے تبحر علمی اور بے پایاں قابلیت کا اعتراف کیا۔

## بیعت

شروع میں آپ سلسلہ چشتیہ میں بیعت ہوئے اور ان سے تعلیم باطنی حاصل کی اور خلافت حضرت شاہ سکندر ریحلی سے حاصل ہوئی۔ حضرت شاہ سکندر ہندوستان میں سلسلہ قادریہ کے بہت بڑے مشائخ ہیں سے تھے۔ اس کے علاوہ دیگر بزرگوں سے بھی آپ نے باطنی تعلیم حاصل کی اور ترقی فرماتے رہے۔ غرضیکہ صرف سترہ سال کی عمر میں آپ ظاہری و باطنی کمالات کے جامع اور عادی ہو چکے تھے۔

## حلیہ شریف

قد مبارک متوسط، چہرہ انوار باد جاہت، رنگ گندمی مائل سفید، پیشانی کشادہ، ٹاڑھی گھنی اور آنکھیں بڑی بڑی، صورت اقدس انوار ولایت سے تاباں، خوبصورتی اور ملامت کے ساتھ آنا برعب و ہیبت نمایاں۔ جو کوئی آپ کی زیارت کرتا ہے اختیار

یہ کتاب: "فتبارک اللہ احسن الخالقین"

## بشارات

- ۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت میں ایک شخص پیدا ہوگا جس کو صلہ کہیں گے (صلہ معنی دو چیزوں کو ملانے والا) یہ حدیث شریف امام ربانی پر پوری صادق آتی ہے اور آپ ہی کے طفیل ظاہر و باطن جن کو زمانے نے الگ الگ سمجھ رکھا تھا ایک جگہ اکٹھے ہوئے۔
- ۲۔ حضرت شیخ الاسلام احمد جام اے بن کی وفات ۶۰۰ھ میں ہوئی مقامات میں ارقام فرمایا ہے کہ میرے بعد شہزادہ امی احمد نام پیدا ہوں گے اور ان میں سب سے بچھا ستارہ میں پیدا ہوگا جسے اولیاد اولین و آخرین کے کمالات دے جائیں گے۔
- ۳۔ حضرت شیخ خلیل اللہ بدخشی کے مقامات میں مذکور ہے کہ ایک دن شیخ نے فرمایا کہ خواجگان نقشبندیہ میں ایک عزیز ہند میں پیدا ہوگا جو امت کے کل اولیاد سے افضل ہوگا مگر افسوس کہ اس وقت ہم نہ ہوں گے۔
- ۴۔ سیدنا غوث الثقلین شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ نے ایک جنگل میں مراقبہ کے دوران میں ساعت بساعت بڑھنے والے نور کا مشاہدہ فرمایا۔ انفا ہوا کہ اس نور کا صاحب وہ عزیز امت ہے جو پانچ سو سال بعد ہمارے پیغمبر کی تجدید کرے گا اور اس کے فرزند و خلفا بارگاہ احدیت کے صدر نشینوں میں سے ہوں گے۔ حضرت غوث پاک قدس سرہ نے اس مشاہدہ کے بعد اپنا ایک فرقہ اپنے خلیفہ اکبر کے سپرد کیا اور کہا کہ یہ فرقہ امانت ہے اس شخص کی جس کے متعلق یہ القاد ہوا۔ چنانچہ وہ فرقہ حضرت

امام ربانی کو حضرت شاہ کمال کبھیٹلی کی وساطت سے بیجا۔ ان کے علاوہ اور بھی بزرگان دین سے اس قسم کی بہت سی پیش گوئیاں حضرت امام ربانی کے متعلق منقول ہیں۔ خان اعظم جو اکبر کے خاص ارکان سلطنت سے ہیں انہیں نجومیوں نے اس بات کی تہدوی تھی کہ عنقریب ایک مرد خدا پیدا ہوگا جو ترویج میں ناسب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہوگا اور باطل مذاہب و طرق کی بیخ کنی کرے گا اور شریعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تازگی بخشنے گا۔ اس کے علاوہ تہذیب سلطان اور تہذیب صدر جہاں نے بھی حضرت امام ربانی کے متعلق خواب دیکھے اور وہ آپ کی بیعت ہوئے۔

## خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ

والد صاحب کے انتقال کے بعد حضرت امام ربانی حج کے ارادے کے لئے دہلی تشریف لائے۔ وہاں حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ کے کمالات کی شہرت سن کر حاضر خدمت ہوئے۔ حضرت خواجہ صاحب بڑی شفقت سے پیش آئے اور رہنے کی فرمائش کی چنانچہ حضرت امام ربانی حضرت خواجہ صاحب کی فرمائش پر پٹھر گئے اور خواجہ صاحب سے بیعت ہو گئے۔ حضرت خواجہ صاحب نے اپنے ایک فرید کو حضرت امام ربانی کی آمد پر تحریر فرمایا:-

”شیخ احمد نامی ایک عالم باعمل سرہند سے آئے ہیں۔ چند دن اس فقیر کے ساتھ اٹھے بیٹھے۔ عجیب و غریب حالات ان کے دیکھنے میں آئے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے،

کہ وہ ایک چراغ ہوں گے جس سے سارا عالم روشن ہو جائے گا۔“

حضرت امام ربانی نے اڑھائی ماہ دہلی میں قیام فرمایا۔ اس کے بعد دوسری مرتبہ حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ کو خلافت خلافت عطا



کی گئی اور خاص خاص اصحاب کو تعلیم کے لئے حضرت خواجہ صاحب نے حضرت امام ربانیؒ کے سپرد کر دیا۔ تیسری مرتبہ حضرت نے چند قدم چل کر حضرت امام ربانیؒ کا استقبال فرمایا اور بڑی بڑی بشارتیں سنائیں اور بہت کچھ اعزاز و اکرام کیا۔ تیسری مرتبہ جب حضرت امام ربانیؒ اپنے شیخ حضرت خواجہ باقی باللہؒ سے رخصت ہونے لگے تو حضرت خواجہ صاحب نے فرمایا کہ میں نے ہندوستان آنے سے قبل استخارہ کیا جس میں مجھے معلوم ہوا کہ ایک شیریں نعمہ خوبصورت طوطا میرے ہاتھ پر آکر بیٹھ گیا ہے۔ میں اپنا لعا بسودہن اس کے منہ میں ڈال رہا ہوں اور وہ اپنی چونچ سے میرے منہ میں شکر ڈال رہا ہے۔ میں نے یہ استخارہ اپنے مرشد حضرت شیخ خواجہ المکنلیؒ سے بیان کیا۔ آپ نے فرمایا کہ ہندوستان میں تمہاری تربیت سے کوئی ایسا شخص ہوگا جس سے ایک عالم منور ہوگا اور تم کو بھی اس سے حصہ ملے گا۔ خواجہ صاحب نے اس کا مصداق حضرت امام ربانیؒ کو فرمایا۔

حضرت خواجہ ربانیؒ باللہ علیہ الرحمۃ فرمایا کرتے تھے کہ شیخ احمد (حضرت امام ربانیؒ) ایک آفتاب ہیں کہ ہم جیسے ہزاروں ستارے اس کی روشنی میں گم ہو جاتیں۔ آسمان کے نیچے ان کی نظیر نہیں ہے اور ان جیسے اس امت میں چند ہی آدمی گزرے ہیں۔ ایک بار حضرت خواجہؒ نے حضرت امام ربانیؒ سے فرمایا کہ ہم نے یہاں (سرہند میں) ایک بہت بڑا چراغ روشن کیا۔ اس کی روشنی آنا فانا بڑھنے لگی۔ پھر ہمارے جلائے ہوئے چراغ سے بیسیوں چراغ جل گئے۔ اس سے مراد تم ہو۔

# قلم اکبری کی اصل

یو اہوس لوگوں نے اپنے سیاسی اقتدار کو قائم کرتے ہوئے اکبری دور میں اتحاد و یکجہتی کے رنگ میں اپنے آپ کو ظاہر کیا جن میں ملا مبارک اور پیر برہ نامی پیش پیش ہیں۔ مورخین نے یوں بیان کیا کہ ملا مبارک نے پیر برہ سے بادشاہ کے سامنے کہا کہ اے پیر برہ جس طرح تمہارے دین میں تخریفیں ہوتی ہیں اسی طرح ہمارے دین میں بھی بکثرت تخریفیں ہوتی ہیں اس وجہ سے اب اس مذہب پر بھی اعتماد باقی نہیں رہا اور دوسرے یہ کہ ایک ہزار سال کی مدت بھی پوری ہو چکی ہے۔ اس گفتگو سے صاف ظاہر ہے کہ ملا مبارک کی سیاست اس بات کا تقاضا کر رہی تھی کہ اب کسی نئے آئین کی ضرورت ہے۔ اس کی صورت کیا ہو۔ اس کے لئے ہمیں اتنا لکھنا ہی کافی ہے کہ ملا مبارک کا اس اہم مقصد کے لئے پیر برہ کو مخاطب کرنا اس بات کا اظہار تھا کہ ہندو مسلم اختلافات رفع کئے جائیں اور پھر جب اکبر ایسا بے علم آدمی جس کے ہاتھ میں اقتدار سلطنت، دولت اور تمام دیوی سرفرازیوں موجود ہوں، یو اہوسوں کے ہتھے چڑھ جائے تو یقیناً ان کی پانچوں انگلیاں گھٹی میں ہوں گی۔ بہر حال ایک جدید مذہب کی بنیاد رکھ دی گئی جس کے اصول اور قوانین ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں۔ ملا مبارک صرف اپنے عہدے اور شاہی تقرب کی

خاطر اپنا فرض منصبی ترک کر چکا تھا لیکن پیر براس بات میں ایسا پکتا نکلا کہ اکبر کے دل و دماغ پر چھایا گیا اور وقتاً فوقتاً اپنے مذہب کی فلاسفی سے لے کر رام کر لیا۔ علماء وقت جو صاحب اقتدار تھے وہ آپس کے حسد اور رقابت کی وجہ سے ایک دوسرے کی تکفیر کرنے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خاندان مغلیہ میں جو اسلامی مذہب کی کچھ روایات تھیں وہ اکبر کے دل و دماغ سے یکے بعد دیگرے محو ہونی شروع ہو گئیں اور شاہ ہمایوں کا یہ تختہ جگر مکمل طور پر ملحد اور زندقہ بن گیا۔

ظلم پر ظلم یہ ہوا کہ بڑے بڑے ہندو راجوں نے اپنی لڑکیاں اکبر کے محل کی زینت کر دیں جن کے رسم و رواج اور معتقدات کا اثر بے علم اکبر پر بہت جلد پڑ گیا۔ چنانچہ ہندوؤں کی اکثر مشرکانہ رسوم کا بجالانا اکبر کے حالات سے ثابت ہے۔

## عوام پر کیا اثر ہوا

اکبر کی بے دینی یہ رنگ لائی کہ مشرکین کا بول بالا ہو گیا اور ہر جگہ ان کا اقتدار ہو گیا۔ چنانچہ کفار نے بے خوف و خطر کسی مساجد کو شہید کر کے وہاں مندر بنا لیے۔ کاوشی کا دن جو کہ ہندوؤں کے برت کا دن ہے اس دن کے لئے اکبر نے یہ اہتمام کیا تھا کہ اس دن شہر میں کوئی مسلمان دن کو روٹی نہ پکائے۔ برعکس اس کے رمضان شریف میں کھلے بندوں کھانا پکایا اور فروخت کیا جاتا اور اہل اسلام کی پستی کے سبب کوئی مزاحم نہ ہو سکتا تھا۔ علماء اور فقراء کے ہاتھ میں عوام کی اصلاح ہوتی ہے۔ علماء تو آپس کے حسد کا شکار ہو گئے تھے اور جو اس سے بچے تھے ان کے پاس اقتدار نہ تھا اور جن نام نہاد فقراء کو خطابات اور نوازشات سے نوازا جاتا تھا ان میں سلوک کے عروج و نزول کی خبر تک کسی کو نہ تھی اور عیش پسندی اور ہوا پرستی کے خار دار صحرا میں بھٹک رہے تھے۔ یہی نہیں بلکہ نااہل اشخاص کو مرشد اور ولی اللہ اور قطب مجیب

جلیل الشان خطابات سے نوازا گیا اور ان تن آسان اور اغراض پرستوں نے عوام کے خیالات سے شریعت کی پیروی کی اہمیت مٹا دی اور سنت نبویؐ کا اچھا مشکل ترین ہو گیا۔

## اعلائے کلمۃ الحق

ایسے تاریک دور میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز ایک ایسی شخصیت تھی جو اعلائے کلمۃ الحق میں مشغول تھی چنانچہ آپ سر ہند سے آگے پہنچے، ان دنوں اس کا نام اکبر آباد تھا اور اکبر کے مقربین کو طورا کر ارشاد فرمایا:۔

”بادشاہ اللہ اور اس کے رسول کا باغی ہو گیا ہے۔ جاؤ میری طرف سے اسے کھڑو کر

اس کی بادشاہی اس کی طاقت اس کی فوج سب کچھ ایک دن مٹ جانے والی ہے۔

وہ توبہ کر کے خدا اور رسول کا تابع رہنے ورنہ اللہ کے غضب کا انتظار کرے!“

ان لوگوں نے جا کر بادشاہ سے کہا لیکن اکبر جو اپنے نئے دین کے عروج کے خواب دیکھ رہا تھا اس نے حضرت امام ربانیؒ کے اس پیغام کی کچھ پروا نہ کی اور اپنے فتنہ کی کامیابی کے اظہار کے لئے نماز کا دن مقرر کر کے دربار اکبری سجایا۔ دوسری طرف بارگاہ محمدی بنایا۔ اکبر کا خیال تھا کہ میری بادشاہت اور سلطنت کے مقابلے میں پرانے اور بوسیدہ مذہب کے پیرو کہاں باہر نکلیں گے اور اس طرح سے ہی قرلاولین والآخرین سید المرسلین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے مقابلے میں اپنے شیطان مسلک کو سرفراز کر سکیں گے اور گنہگار بننے والی نسلیں میرے رعب و اب کا سکہ مانیں گی۔

اسے کیا خبر تھی امام ربانیؒ مجدد الف ثانیؒ ایسے ظاہری اور باطنی کمالات کے جامع اس دنیا کو اپنی آمد سے منور کر چکے ہیں۔ چنانچہ اکبر نے اپنے دربار میں بواہوسوں کی چرب زبانی کے لیے نہایت پر تکلف کھانے تیار کروائے تاکہ شکم کے بندوں کا گروہ گدھوں کی طرح اس سردار دنیا



کی طلب میں اکٹھا ہو جائے اور ایسا ہی ہو کہ اکبر اور اس کے حاشیہ نشین خوشامدی چاچا پوس اور ڈیپو میٹک لوگ جن کے نفس نے انہیں شرعی احکام کی تکلیفوں سے نجات حاصل کرنے کے لئے دین متین سے باغی ہونے پر مجبور کر دیا تھا اس دربار میں اکٹھے ہو گئے۔

دوسری طرف دربارِ محمدی لگایا گیا جو ان تمام تکلفات سے بری تھا لیکن حضرت امامِ بانی مجدد الف ثانیؒ کی غیرتِ اسلامی یہ کب گوارا کر سکتی تھی کہ اکبر ایسا طرد آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی تہلیل کرے۔ چنانچہ حضرت مجدد اپنے چند غریب دوستوں کے ساتھ اس دربار میں جلوہ افروز ہوئے۔ نفوڑی ہی دیر گزری ہو گا ایک سخت طوفان آیا اور اکبری دربار تہ و بالا ہو گیا۔ خیموں کی چوبیس اس زور سے اکٹھریں کہ ہزارہ خانہ تختوں کے باوجود اکبر بھی ان کی زور سے نہ بچ سکا اور زخمی ہو گیا لیکن مجدد و صاحب کی قیام گاہ بالکل محفوظ رہی اور زور سا بھی نقصان نہ ہوا۔

## اکبر کی موت

بعض مؤرخین نے اس بات کا ذکر کیا ہے کہ اکبر کی موت انہی زخموں کی وجہ سے ہوئی جو دربارِ اکبری منعقد کرنے کے دن اسے عبرت کے طور پر لگے۔ ایک مؤرخ نے اکبر کی موت کا ذکر کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ موت کے وقت اس نے توحید و رسالت کی تصدیق کی اور سورۃ یسین بھی سنی اور امرا کو بلا کر اس سے کہا سنا بخشوایا۔ خدا کرے کہ اس کا موت کے وقت صبحِ اسلام پر جان دینا سچ ہو اور خدا نے قدوس کے دربار میں معافی کا طلبگار گردانا جلٹے۔ یوں تو اس کے بڑے بڑے فتنے کا بیج ایسا مہلک تھا کہ چند سال میں ہندوستان سے اسلام کا نام و نشان مٹا دیتا مگر خداوند قدوس کا کون شکر ادا کر سکتا ہے کہ اس نے اپنی رحمت سے امامِ ربانیؒ ایسے بزرگ کو ہمارے لئے مشعلِ راہ بنا دیا تاکہ ہندوستان میں آنے والی نسلیں ایسے پُر آشوب زمانوں میں اس زرد ہرکات کے مینار کی روشنی سے اپنے دلوں کو منور کرتی رہیں۔

# جہانگیر

اکبر کی موت کے بعد اس کا بیٹا جہانگیر تخت کا وارث ہوا۔ شروع شروع میں یہ بھی اپنے باپ کے قدم بقدم چلا لیکن قدرت نے اس میں بعض خوبیاں بھی بھری ہوئی تھیں اور یہی خوبیاں اسے راستی پر لانے میں مدد و معاون ہوئیں۔ جس طرح اکبر کا ماحول اسے لے ڈوبا تھا اسی طرح جہانگیر کا ماحول بھی تاریک تھا۔ اتفاق سے جہانگیر کی بیوی نور جہاں شیعہ مذہب رکھتی تھی۔ البتہ قابل باپ کی بیٹی ہونے کی وجہ سے سیاسی امور میں نہایت شائستہ تھی اور جہانگیر کے ملکی عدل و انصاف کا سکہ نور جہاں ہی کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ جہانگیر بھی اپنے عاشقانہ مزاج کی وجہ سے نور جہاں کے سن کا متوالا ہو گیا اور امور سلطنت قریباً قریباً نور جہاں ہی کے سپرد کر دیئے اور یہاں تک وارفتہ ہو گیا کہ اکثر کہا کرتا: "میں نے سلطنت نور جہاں کو بخش دی۔ ایک پیر شراب اور آدھیر گوشت کے سوا مجھے کچھ نہیں چاہئے۔"

اس میں شک نہیں کہ نور جہاں نے اپنی زندگی میں رفاہ عام کے کاموں میں بہت دلچسپی لی اور اکثر صدقات و خیرات اور غریبوں و مساکین کی پرورش اس نے اپنے ذمے لے لی تھی اور اسی حسن اخلاق کی وجہ سے عوام نے بھی اس کی قدر کی مگر بسا اوقات اپنے ذاتی متا کو پورا کرنے

کے لئے تباہ کن فتنہ بھی کھڑا کر دیا کرتی۔ الغرض جہانگیر اس کا بندہ بے دام ہو گیا تھا اور قلعہ  
پرتھیوں کی حکومت قائم ہو گئی۔

## حضرت امام ربانیؒ کی مخالفت

حضرت امام ربانیؒ آجیاد سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کوشاں تھے اور  
آپ نے تبلیغ حق کا کام نہایت وسیع پیمانہ پر شروع کر دیا تھا۔ بواہوس لوگ آپ سے جلنے لگے اور آپ کے خلاف  
غلط شہرت پھیلانی شروع کر دی۔ آپ کے مکتوبات میں طرح طرح کی بے بنیاد اور غلط عبارتیں شامل  
کر کے علماء کو آپ کے خلاف بھڑکانا شروع کر دیا اور بادشاہ کے کان بھی آپ کے خلاف بھر دیئے۔  
سب سے پہلے نور جہاں کا شیعہ ہونا اس بات کا مقتضی تھا کہ حضرت امام ربانیؒ مجد و الف  
ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک کہیں جہانگیر اختیار نہ کر لے اور اس میں ایک سیاسی پہلو بھی تھا کہ  
نور جہاں اپنے داماد کو تخت و تاج کا وارث بنانے میں کوشاں تھی اور حضرت امام ربانیؒ کی وفات  
کے رد میں بے باکانہ جرات نور جہاں کو بیخ پا کر رہی تھی۔ مجد و صاحبؒ نور آپ کے ساتھی  
نور جہاں کی نگاہ میں معتوب و مقہور ہو چکے تھے۔ ساتھ ہی ساتھ رقص و سرود کی محفلوں کے  
شیدا بیوں کو طریقہ نقشبندیہ جس میں اتباع سنت کی تاکید تھی براہ فرختہ کر رہا تھا۔ مکتوبات  
شریف کی دو جلدیں اس وقت مرتب ہو چکی تھیں۔ چنانچہ ایک شخص حسن خاں نامی کابل کا رہنے  
والا حضرت مجد و صاحبؒ کی بیعت ہوا۔ چند یوم بعد آپ کے ایک متوسل سے اس کی آزدگی  
ہو گئی۔ تھوڑے ہی دنوں سے حلقہٴ ارادت میں آئے ہوئے تھے طبیعت کی کجی اور نفس کی شرارت میں  
بتلا ہو کر اس نے اس ناراضگی کا بدلہ حضرت امام ربانیؒ سے لینے کی ٹھان لی۔ چنانچہ اس نے  
مکتوبات شریف میں تحریف کر کے کفریہ اور زندیقانہ عبارتوں کے اضافہ کے ساتھ بیس نقلیں

مرتب کیں اور ہندوستان و افغانستان کے مشہور علماء اور مشائخ کے پاس وہ نقلیں بھیج کر ان سے فتاویٰ طلب کئے۔

یہ ایک زبردست فتنہ تھا۔ ہندوستان کے جلیل القدر اور صاحب علم و فضل حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی بھی اس فتنہ میں مبتلا ہو گئے اور آپ نے حضرت مجددؒ کی تریب میں چند رسالے اور مضامین لکھ ڈالے۔

## جہانگیر کے دربار میں

حضرت امام ربانیؒ کی مخالفت میں اچھا خاصا محاذ بن گیا۔ جہانگیر نے آپ کو دربار میں طلب کیا۔ آپ تشریف لے گئے اور چند سوالات و جوابات کے بعد بادشاہ کو تسلی ہو گئی اور آپ کی طرف سے اطمینان ہو گیا۔

حضرت امام ربانیؒ کی مخالفت میں ذاتی اقتدار محسوس اور غلط فہمیاں تینوں اپنی اپنی جگہ کام کر رہی تھیں جس کے نتیجے میں حضرت امام ربانیؒ کو دربار میں طلب کیا گیا تھا مگر دشمنوں کی چال کا رد نہ ہوئی۔

مخالفین نے جب یہ دیکھا کہ ہمارا کیا کر یا سب بیکار ہو گیا اور بادشاہ امام ربانیؒ کی طرف سے مطمئن ہو گیا ہے تو انہوں نے جہانگیر کو حضرت مجددؒ کے خلاف سیاسی رنگ میں بھڑکانا شروع کر دیا اور اسے مخالف کرنا شروع کر دیا کہ :-

”احمد سرہندی حکومت کا باغی ہے۔ بڑا سرکش اور خطرناک آدمی ہے۔ دربار میں سجدہ کا رواج جو شاہ اکبر کے وقت سے چلا آ رہا ہے اس کے خلاف فتویٰ بھی دے چکا ہے اور اس کے پاس ایک لاکھ زرہ پوش سوار موجود ہیں۔ کسی نہ کسی وقت بغاوت کر دے گا۔“

53352

جہانگیر کے لئے یہ سیاسی خطرہ مذہبی خطرہ سے بھی زیادہ تشویشناک تھا۔ مکتوبات شریف کی تعریف شدہ عبارتیں اور حضرت مولانا عبدالحق محدث دہلوی کے نزدیک مزاحمتیں بھی حاسدوں نے بادشاہ کی نظر سے گزارے ہوئے تھے۔

## سیاسی چال

جہانگیر نے امراء و اراکین کو جمع کیا اور حضرت امام ربانیؒ کے متعلق مشورہ کیا۔ مختلف راؤں کے بعد بادشاہ نے اپنے وزیر آصف جاہ (جو کہ شیعہ تھا) کی رائے پر اتفاق کیا کہ جو امراء حضرت امام ربانیؒ کے حلقہ بیعت میں آچکے ہیں انہیں بے خبر و دروازہ علاقوں پر تھخواہیں بڑھا کر تبدیل کر دیا جائے اور اس کے بعد جو کارروائی کی جائے بہتر ہے گی۔ چنانچہ خانخاناں کو ملک وکن پر، سید صدر جہان کو مشرقی مالک پر، خانبخمان لودھی کو مالوہ پر اور مہابت خاں کو کابل پر تعینات کیا گیا۔ اس کے علاوہ اور بھی امراء کو اسی طرح الگ الگ علاقوں کی گورنری پر مقرر کئے گئے۔ اس کا حکم دیا اور پھر دوسری بار حضرت امام ربانیؒ کو بادشاہ نے طلب کیا اور آداب شاہانہ یعنی سجدہ کا مطالبہ کیا مگر عدائے قدوس کی بارگاہ میں جھکنے والا سر دنیوی بادشاہوں کے برابر میں کب جھک سکتا ہے۔ حضرت امام ربانیؒ نے اس غیر شرعی تقسیم سے سختی سے انکار کر دیا اور ارشاد فرمایا کہ :-

”سوائے خدا کے کسی کو سجدہ جائز نہیں اور اے جہانگیر! کیا یہ کھلی حماقت نہیں کہ میں

اپنے ہی جیسے ایک بے بس اور مجبور انسان کو سجدہ کروں؟“

جہانگیر یہ الفاظ سن کر غیظ و غضب سے بھر گیا۔ وہ کسی بیباوری نہ کر سکتا تھا کہ میرے پرہیزگاری

دربار میں کسی کو یہ جرات ہو سکے گی کہ میرے حکم کی خلاف ورزی کرے اور اتنی بیباکی اور بے خوفی

سے گفتگو کرے۔ اور حقیقت بھی یہی تھی کہ آج تک سچی بات کرنے اور کہنے والا اس کے ہاں آیا

مخبر



ہی کون تھا۔ جو لوگ اس وقت اسلام کے پاس آئے اور نگہبان ہونے کے مدعی تھے وہ صرف بادشاہ جہانگیر کی خوشی کے خواہاں تھے۔ انہیں احکم الحاکمین کی رضا سے کیا واسطہ تھا لیکن خدا کی زمین پر ستار ان توحید اور شمع نبوت کے پروانوں سے کبھی خالی نہیں ہوئی اور پھر حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ جیسا عظیم البرکت انسان جو مجربیت کے گہوارے میں پلا ہوا اور آیات اودیانہ اللہ لا خوف علیہم ولا ھو یخزنون ط کا صحیح مصداق ہوا اور جہانگیر ایسے سرکش بادشاہوں کے دماغ ٹھیک کرنے کے لئے پروردگارِ عالم نے جسے قبولیت کی خلعت سے نوازا ہوا، نبوی جاہ و جلال اور ربوبیت و اب سے کیسے مرعوب ہو سکتا تھا۔

دشمنوں نے اپنی چال کا مایاب ہوتے دیکھ کر فیلیں بجانی شروع کیں اور وہ اسی تاک میں تھے کہ اگر امام ربانی مجدد الف ثانی سے انکار کریں گے تو بادشاہ کے معتوب ہوں گے اور اگر سجدہ کر گئے تو مریدین کی نظروں سے گرجائیں گے اور عوام مسلمین بھی انہیں ساقط الاعتبار سمجھیں گے۔ علامہ نے ان امراء کی پاس خاطر کے طور پر امام ربانی کے قتل کا فتویٰ دیا جس میں شاہ عبدالحق محدث دہلوی بھی شامل تھے لیکن بعد میں اپنے کئے پر پچھتا گئے اور حضرت امام ربانی کے کمالات کے معترف ہو گئے۔ قدرتِ کاملہ نے اس عظیم المرتبت جامع کمالات ہستی کو ایک جہاں کی رشد و ہدایت کا ذریعہ بنا دیا تھا۔ جہانگیر نے بھی موت کا حکم تو دے دیا مگر تھوڑی ہی دیر کے بعد منقلب القلوب نے اس کے دل کو اس حکم سے لٹنے کی توفیق دی اور کچھ سوچ کے بعد حضرت امام ربانی کو جیل بھیج دینے پر ہی اکتفا کی۔

شاہ جہان کا پیغام

قدرتِ الٰہی کا کرم سمجھئے کہ نور جہاں کی شیعیت کی وجہ سے جہاں بعض افسر اس قدر

میں مبتلا تھے وہیں اکثر امراء سلطنت حضرت امام ربانیؒ کی عقیدت اور محبت دل میں رکھتے تھے، حتیٰ کہ شہزادہ خرم جو بعد میں شاہ جہان کے نام سے موسوم ہوا آپ سے خاصی عقیدت رکھتا تھا۔ اس نے اپنے دو خاص الخاص معتمدین افضل خاں اور خواجہ عبدالرحمن کو حضرت امام ربانیؒ کی خدمت میں بھیجا اور فقہ کی کتابیں جن میں سجدہ تعظیمی کی اباحت بتائی گئی تھی ساتھ کیں اور کہلا بھیجا کہ اگر جناب بادشاہ سے ملاقات کے وقت سجدہ کریں تو میں ذمہ لیتا ہوں کہ آپ کو کوئی گزند نہ پہنچ سکے گا۔

اس کے پیغام کے جواب میں حضرت امام ربانیؒ نے جو ارشاد فرمایا وہ یہ ہے کہ :-  
 ”جان بچانے کے لئے یہ بھی جائز ہے مگر عزیمت اسی میں ہے کہ غیر اللہ کو سجدہ نہ کیا جائے۔“

## دولت کدہ امام ربانیؒ کو ٹٹا گیا

جہانگیر نے آپ کو قید و بند کی صعوبتوں میں ڈالنے کے حکم کے علاوہ آپ کے دولت کدہ کو بھی ٹٹنے کا حکم دیا مگر صبر و تسلیم کے اس مجسمہ نے اُفت تک بھی زبان سے نہ نکالا۔ پروردگار حقیقی پر کامل ایمان رکھنے والے سپر نور اور اخلاقِ محمدیؐ کی زندہ تصویر نے تکلیف دینے والوں کے حق میں بددعا تک نہ کی بلکہ اپنے متوسلین کو اسی اخلاقِ محمدیؐ کا منظر بننے کی تلقین کی۔

# حضرت امام ربانی قید خانہ میں

قید خانہ سے پہلے حضرت امام ربانیؒ اپنے دوستوں سے فرمایا کرتے کہ عنقریب ہم پر ایک بلا نازل ہوگی جو ہمارے لئے مقاماتِ ولایت کی ترقی کا باعث ہوگی کیونکہ امتحان کی کڑی منزلیں گزرنے کے بغیر ان ترقیوں کا حصول ممکن نہیں۔

حضرت امام ربانیؒ کا یہ ارشاد حضور اکرمؐ فداہ امی دابی کے اس ارشاد کے معنی سمجھا جا رہا ہے کہ اتقوا عن فراست المؤمن فانہ ینظر بنور اللہ۔  
 المختصر یہ کہ حضرت امام ربانیؒ کو اجین ریاست گوالیار کے قید خانہ میں بھیج دیا گیا۔ گوالیار کا یہ قید خانہ ان لوگوں کے لئے مخصوص تھا جن کو حکومت کا باغی قرار دیا جاتا تھا۔ حضرت امام ربانیؒ جب وہاں پہنچے تو کسی ہزار نفوس کو وہاں پایا جن میں ہزار باغیر مسلم بھی تھے جس پر حضرت امام ربانیؒ کے قدم مینت لزوم اس جیل خانہ کے قیدیوں کے لئے رشد و ہدایت کا باعث ہوئے۔ غیر مسلم اسلام کی لازوال دولت سے مالا مال ہوئے اور باقیوں نے حسبِ استعداد ظاہری و باطنی کمالات کے خزانے سے جمویاں بھر بھر کر اپنے اپنے سینوں کو مالا مال کیا۔  
 جیل خانہ میں کوئی قیدی ایسا نہ رہا جسے امام ربانیؒ کے دست سنانے علم کی دولت اور

کلماتِ روحانی سے محروم رکھا ہو۔ وہ قیدی جو قید خانہ کی غیر مانوس زندگی کو اپنے لٹے ایک لعنت کا طوق سمجھتے تھے حضرت امام ربانیؒ کی موجودگی کے باعث اسی قید خانہ کو جنتِ ارضی کا ایک قطعہ سمجھنے لگے اور وہ فاسق و فاجر جنہوں نے اپنی زندگی کا واحد مقصد عیش و طرب کی محفلیں سمجھا ہوا تھا اور قید خانہ کی دیواریں ان کے راستے میں حائل تھیں، حضرت امام ربانیؒ کے فیوض و برکات کی بدولت عشقِ الہی کی سردی نعمت کو دلوں میں سمیٹ کر رات کی تاریکیوں میں خدائے لم یزل کی باہگاہ میں سر جھکانے کے مشتاق بن گئے۔ مجد والہ ثانیؒ ایسے مسیحا نے چشمِ زون میں ان کی کایا پلٹ دی اور انہیں خاک سے اکسیر خرف سے گوہر اور تانبے سے کندن بنا دیا۔

جہانگیری سلطنت کے غائبین جو کہ حضرت امام ربانیؒ سے عقیدت رکھتے تھے انہیں پہلے ہی دورِ رازہ مقامات پر تعینات کر دیا تھا۔ یہ بھی نورِ جہاں کی ایک سیاسی چال تھی تاکہ امام ربانیؒ سے عقیدت رکھنے والے یہ صاحبِ اقتدار کوئی ایسا قدم نہ اٹھا سکیں جس سے سلطنتِ جہانگیری و مہرِ ام سے نیچے آگرے، اور حقیقت بھی یہی تھی۔

## بغاوت ہو گئی

چنانچہ حضرت امام ربانیؒ کی قید کی خبر سن کر خانخانان، خانِ اعظم، سید صدر جہان، اسلام خاں، مہابت خاں، مرقضی خاں، تربیت خاں، خان جہان لودھی، سکندر خاں، حیات خاں، دریا خاں جو سلطنتِ جہانگیری کے مختار رکن تھے سخت بے چین ہوئے اور بغاوت پر تیار ہو گئے۔ آپس میں خط و کتابت کی اور سب نے متفق ہو کر مہابت خاں کو جو کابل کی گورنری پر متعین تھا اپنا سرگروہ تسلیم کر لیا اور اسے فوراً و خزانہ سے مدد دی۔

مہابت خاں نے بادشاہ کی اطاعت سے سر پھیر دیا اور بادشاہ شاہان بدخشان و خراسان اور توران سے مدد لے کر جہانگیر پر فوج کشی کا حکم دے دیا۔ خطبہ اور سکتہ سے بادشاہ کا نام نکال دیا۔ جہانگیر بھی اپنا لاد شکر لے کر مہابت خاں کے مقابلے کو کابل کی طرف روانہ ہو گیا۔ جہانگیر کے کابل کی طرف جانے کے بعد باقی امراد بھی بادشاہ کے باغی ہو گئے۔ انہوں نے بھی انحراف کر کے ملک پر قبضہ کر لیا اور شاہی طرفداروں کو جو کہ نور جہاں کے معتد تھے، برطرف کر دیا۔

## تخت کی پیش کش

اب معاملہ صاف تھا۔ بادشاہ کے باغی امراد نے حضرت امام ربانیؒ سے استدعا کی کہ ہماری شاہی مسند کو رونق بخشی جاوے اور اس کے ساتھ ہی اپنے سر انجام بیٹھے ہوتے کام کی تفصیل آپ تک پہنچائی مگر حضرت امام ربانیؒ نے اس کے جواب میں تمام امراد کو تخریب فرمایا :-

”مجھے سلطنت کی ہوس نہیں اور میں تمہارے فتنہ و فساد کو پسند نہیں کرتا۔ میں نے جو قید کی تکلیف اٹھائی وہ اور کام کے لیسے ہے۔ جب وہ کام پورا ہو جائے گا میں خود بخود تمہاری کوشش کے بغیر ہی قید سے رہا ہو جاؤں گا۔ یہ فساد میرے کام میں رکاوٹ ہے۔ بہتر یہ ہے کہ تم بغاوت سے باز آ جاؤ اور فوراً اپنے بادشاہ کی اطاعت قبول کرو۔ میں بھی انشاء اللہ العزیز جلد ہی قید سے آزاد ہو جاؤں گا۔“

اور مہابت خاں بادشاہ و جہانگیر کے مقابلے پر تھا۔ اسی اثنا میں جہانگیر کی فوج میں سے بہت سے آدمی مہابت خاں کے ساتھ جا ملے اور بادشاہ محصور ہو گیا۔ آصف جاہ



کو بھی گرفتار کر لیا گیا اور اس کی تو اچھی خاصی درگت کی گئی۔ تمام شرارتوں کی جڑ بھی یہی تھا اور اسی کے پڑھائے ہوئے سبق نور جہاں کی معرفت جہانگیر کی اصلاح میں رکاوٹ بنے ہوئے تھے۔

## جہانگیر کی جاں بخشی

جہانگیر اور آصف جاہ کی گرفتاری کی خبر نور جہاں کو ملی تو وہ بھی امداد کے لئے پہنچی۔ مہابت خاں نے اسے بھی گرفتار کر لیا اور چاہتا تھا کہ ان تینوں کو حضرت امام ربانیؒ کے قید کرنے کا مزاج چکھائے کہ عین اسی وقت حضرت امام ربانیؒ کا وہ مکتوب جو آپ نے امراء کو لکھا تھا مہابت خاں کو پہنچا اور اپنے ساتھی امراء کی طرف سے بھی جو حضرت امام ربانیؒ کے مکتوب سے مشرف ہوئے اس کے مضمون کے متعلق خطوط ملے۔ مہابت خاں حضرت امام ربانیؒ کا حکم پڑھ کر جہانگیر کے پاس آیا اور کہا کہ میں حضرت کے حکم سے آپ کو رہا کرتا ہوں اور جہانگیر کو تخت پر بٹھا کر سوائے سجدہ کے تمام شاہی آداب بجالایا۔

## حضرت امام ربانیؒ نے بغاوت کیوں روکی؟

یہ مسئلہ بعض سوانح نگاروں نے پیچیدگی میں ڈال دیا۔ بعض نے تو سرے سے ہی بغاوت کا انکار کر دیا اور حضرت امام ربانیؒ کی زندگی کو اپنے خیالات کے مطابق ڈھالتے ہوئے جہاد بالسیف سے بیزار لکھ دیا۔

شاید ان لوگوں کی نظر حضرت امام ربانیؒ کے اس مکتوب پر نہیں پڑی جو آپ نے مرزا عزیز کی طرف تحریر فرمایا۔ اس مکتوب کے آخری الفاظ ملاحظہ ہوں:-

”سابق سلطنت میں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اسے دینِ مصطفویٰ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ضد اور عناد ہے۔ اس سلطنت میں بظاہر وہ ضد اور عناد نہیں ہے۔ اگر ہے تو مسئلہ سے ناواقف ہونے کے سبب، بہر حال خطہ ضرور ہے کہ رفتہ رفتہ عناد اور ضد پیدا ہو جائے اور مسلمانوں کو پھر وہی دشواری پیش آجائے۔“

(مکتوب ۶ جلد اول)

اسی طرح ایک مکتوب جو قصبہ سامانہ کے بزرگ سادات اور قاضیوں اور شیعوں کو تحریر فرمایا جبکہ ایک خطیب کے خطبہ پڑھتے وقت خلفائے راشدین کا نام حذف کرنے کی خبر آپ کے گوش گزار کی گئی۔ اس مکتوب کے آخری حصے میں تحریر فرمایا:۔

”اس قسم کا بدبودار پھول ابتدائے اسلام سے لے کر آج تک نہیں معلوم کہ ہندوستان میں کھلا ہو۔ عجب نہیں کہ اس معاملہ سے تمام شہر متہم ہو جائے بلکہ ہندوستان سے اعتماد دور ہو جائے۔ سلطانِ وقت اہل سنت اور حنفی المذہب ہے۔ اس کے زمانہ میں اس قسم کی بدعت کا ظاہر ہونا بڑی جرات اور دلیری کا کام ہے۔“

(مکتوب ۵ جلد دوم)

مکتوبات کی جلد اول اور دوم حضرت امام ربانیؒ کے واقعہ قید سے پہلے تحریر کی جا چکی تھیں اور اسی طرح ایک اور مکتوب میں حضرت امام ربانیؒ نے شیخ فرید صاحب کی طرف تحریر فرمایا:۔

”آپ خود واقف ہیں کہ قرنِ ماضی (زمانہ اکبر) میں مسلمانوں پر کیا گزری۔

کفار کھلم کھلا دلیری اور جرات کے ساتھ مارا اسلام میں احکام کفر جاری

کرتے تھے اور مسلمان احکام اسلام کے اجراء سے عاجز تھے۔ اگر کرتے تھے تو قتل کر دیتے جاتے تھے۔ کتنی بڑی مصیبت تھی کہ محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والے ذلیل ہوں اور آپ کے منکرین کی عزت ہو۔ مسلمان زخمی دلوں سے اسلام کی تعزیت کر رہے ہوں اور مخالفین اور معاندین مذاق اڑا کر زخم ہائے مسلم پر نمک پاشی کرتے ہوں۔

آج جب کہ بادشاہ اسلام کے جلوس کا مژدہ خاص و عام کے کانوں میں پہنچا تو اہل اسلام نے اپنے اوپر لازم جان لیا کہ ترویج شریعت اور تقویت ملت کے لئے بادشاہ کے مدد و معاون ہوں اور جس قسم کی امداد مطلوب ہو دینے نہ کریں۔“  
(مکتوب عالم جلد اول)

اس مکتوب کے مطالعہ کے بعد یہ نظریہ قائم کرنا کہ حضرت امام ربانیؒ کا عالمگیری عہد میں جہاد بالسیف سے روکنا اس مقصد پر تھا کہ یہ چیز پرانی ہو چکی ہے، اب اس کی ضرورت نہیں رہی، کتنا بڑا ظلم ہے۔

انہی بزرگ کو حضرت امام ربانیؒ ایک اور مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:-  
”بادشاہ اہل اسلام کی توجہ اہل کفر کی جانب نہیں رہی ہے۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ رسومات کفر کی قباحت پوری طرح بادشاہ کے ذہن نشین کرا دیں۔ ضرورت سمجھیں تو کسی عالم کو بلا لیں۔ احکام شریعی کی تبلیغ کے لئے کرامتوں کا اظہار ضروری نہیں۔“



# عمائدین سلطنت

## خانخاناں

خانخاناں — اکبر بادشاہ کے مشہور اتالیق بہرم خاں کے فرزند تھے۔ بہرم خاں شیعہ مذہب کا تھا مگر خانخاناں سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت تھے۔ حضرت امام ربانیؒ اپنے مکتوبات شریفہ میں انہیں اسی طرح یاد فرماتے ہیں جس طرح ایک مخلص مرید کو خانخاناں کا اصلی نام عبدالرحیم ہے اور صاحب اقتدار اتنے کہ گویا آدھی سلطنت کے مالک ہیں۔ قدرت نے پہلے ہی سے اہل علم و تقویٰ کی خدمت کرنانا ان کے دل میں ڈالا ہوا تھا۔ عربی، فارسی، ترکی اور ہندی زبانوں میں کافی مہارت رکھتے تھے۔ فارسی اور ہندی میں شعر بھی کہتے تھے۔ شعر و ادب کی قدر کرتے اور شاعروں کو انعامات سے نوازا کرتے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ شاہ جہانگاہ ان سے بہت حفا ہو گیا اور برابر میں حاضری کا حکم دیا۔ لوگوں کا خیال تھا کہ بادشاہ انہیں قتل کروا دے گا۔ خانخاناں نے اس واقعہ کو حضرت امام ربانیؒ کے گوش گزار کر کے دعا کی درخواست کی۔ خدا کا فضل شامل حال ہوا۔ بادشاہ نے بجائے

غیظ و غضب میں آکر موت کا حکم دینے کے خائنوں کو خلعت عطا کی۔  
 مکتوبات شریف میں خائنوں کو لکھے گئے مکتوب بہت سے ہیں۔ منجملہ ایک  
 مکتوب کا ملخص پیش کیا جاتا ہے تاکہ معلوم ہو کہ حضرت امام ربانیؒ نے ان لوگوں کو  
 ادب اور اخلاص کی کیسی تعلیم دی۔

”دولت مندوں کے لئے تواضع زیبا ہے اور اہل فقر کے لئے استغناء  
 اور بے نیازی، کیونکہ علاج ضد سے ہوا کرتا ہے۔ آپ کے خطوط سے استغناء  
 مترشح ہوتا ہے۔ اگرچہ آپ کا غشا تواضع ہے۔ بیشک آپ نے فقراء کی خدمت  
 بہت کی ہے مگر ان کے آداب کا لحاظ رکھنا ضروری ہے تاکہ اس خدمت  
 کا ثمرہ حاصل ہو سکے۔ اتقباد امت تکلفات سے بری ہیں۔ وہ تکبرین  
 کے مقابلے میں تکبر کیا کرتے ہیں۔“ (مکتوب ۶۸ جلد اول)

## خانِ اعظمؒ

اصل نام مرزا عزیز تھا اور بادشاہ اکبر کے رضاعی بھائی تھے۔ انہیں اکبر کی  
 اسلام کش حرکات سے سخت نفرت تھی اور اسی وجہ سے اکبر کے ہاں جانا چھوڑ دیا تھا  
 اور اپنے متعلقہ صوبہ میں ہی رہتے تھے۔ حج بھی کیا۔ اکبر کے مرنے کے بعد خانِ اعظم کی ایک  
 تحریک پر مبنی جس پر اکبر کے پوست کندہ حالات درج کئے گئے تھے۔ جب وہ تیسری  
 جہانگیر تک پہنچی تو وہ بہت مغلوب الغضب ہوا۔

توزک جہانگیری کے حوالہ کے مطابق جہانگیر کا کہنا ہے کہ ”اس تحریک کے دیکھنے اور  
 سننے سے میرے بال کھڑے ہو گئے۔“ چنانچہ جہانگیر نے مرزا عزیز کو حکم دیا کہ یہ تحریک  
 چھوڑ دے۔



منائیں۔ جہانگیر کا خیال تھا کہ اس تحریر کے انکشاف سے مرزا عزیز خوف کے مارے مرجائیں گے مگر انہوں نے نہایت بے باکی اور دلیری سے وہ تمام تحریر پڑھ کر سنا دی۔

حضرت امام ربانیؒ نے مرزا عزیز کو بھی اپنے مکتوب سے نوازا اور تحریر فرمایا:-

«خبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: بذالاسلام غریباً و

سبیحاً و کما بذالخطوبی للغریباً یعنی اسلام اجنبی تھا جب اس کا

آغاز ہوا۔ محقریب پھر اجنبی ہو جائے گا۔ لہذا ان کو مبارک باد جو اسلام کو

سنبھالنے کے سبب سب کی نگاہوں میں اجنبی ہو جاتے ہیں۔ اسلام کی

غربت اور بے بسی اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ کفار کھلم کھلا اسلام پر طعن اور

مسلمانوں کی مذمت کرتے ہیں۔ بے تحاشا احکام کفر جاری کرتے ہیں اور

کوچہ و بانڈا میں اہل کفر کی تعریف و توصیف کرتے پھرتے ہیں۔ مسلمانوں کو احکام اسلام

کے اجراء کی ممانعت ہے اور شرعی احکام کی بجا آوری میں طعون و مذہم ہیں۔

سبحان اللہ و بحمدہ! کہا جاتا ہے کہ شریعت تلوار کے سایہ میں ہے۔ شرع

شریعت کی رونق سلاطین سے وابستہ مانی جاتی ہے مگر یہاں الٹا معاملہ ہے

راگے چل کر تحریر فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "ایمان کامل

اسی وقت ہوگا کہ جب لوگ مجنوں کہنے لگیں۔" وہ مبارک جنون جس کا اصل

نشا اسلامی محبت اور کامل درجہ کی اسلامی غیرت ہے! آپ کے وجود میں نظر

آتا ہے۔ الحمد للہ حضرت خواجہ احمد راکا ایک قصہ تحریر کرنے کے بعد تحریر فرمایا

جب کہ اس خاندان بزرگ (نقش بندیر) کے اکابر کے ساتھ محبت رکھنے کے

سبب پروردگار نے آپ کو اثر و رسوخ عطا فرمایا ہے اور ہم محسوس اور دوستوں

کی نظر میں فقہیم مذہب آپ کی فات سے ہی وابستہ ہے تو کوشش کیجئے کہ اہل کفر کے وہ احکام جنہوں نے اہل اسلام میں مذہب سے بے التفاتی پیدا کر دی ہے، اگر سب منسوخ نہ ہوں تو کم از کم اکثر تو منسوخ ہو جائیں اور ان منکرات اور قباحتوں سے اہل اسلام محفوظ رہ جائیں۔ سابق سلطنت میں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اسے دین مصطفوی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ خدا اور عناد ہے۔ بہر حال خطرہ ضرور ہے کہ رفتہ رفتہ عناد اور ضد پیدا ہو جائے اور مسلمانوں کو وہی دشواری پھر پیش آجائے۔ (مکتوب ۶۵ جلد اول)

## مفتی صدر جہاں

اکبر کے وقت میں یہ منصب صدارت اقتدار پر فائز رہا ہے۔ اس دور میں ان سے بدعنوانیاں ہوتی رہیں۔ جہانگیر کے وقت میں بھی انہیں اسی عہدہ پر بدستور فائز رکھا گیا۔ یہ بادشاہ کو سجدہ کرنے سے مستثنیٰ کیا گیا تھا۔ حضرت امام ربانیؒ نے انہیں جس انداز میں یاد فرمایا اس میں غور کیجئے کہ روحانی طبیب کس طریق سے مرض کی بنیاد کا علاج کر رہا ہے اور کس طریق سے با اختیار لوگوں کو ان کی ذمہ داریاں یاد دلایا ہے۔ آپ نے تحریر فرمایا:-

”مشہور ہے کہ آتس علی دین ملو کیھم۔ لہذا اصلاح عوام

کے لئے اصلاح سلاطین ضروری ہے۔ حکومت موجودہ میں ملت اسلام سے پہلے

جیسی ضد اور نفرت نہیں پائی جاتی لہذا ائمہ اسلام، صدور عظام اور علماء کرام پر

لازم ہے کہ اپنی تمام ہمت شریعتِ نرا کے رواج وہی میں صرت کر کے شروع ہی

میں اسلام کے مہدم ارکان کو دوبارہ قائم کر دیں اور اس میں ہرگز نہ گزناخیر نہ کریں۔“

## خانجہان

خان جہان — اصلی نام حسین قلی بیگ — بیرم خان کے بھانجے اور دور اکبری میں پانچ ہزاری منصب رکھتے تھے۔ عہدِ جاہانگیری میں بھی سلطنت کے بہت بڑے رکن تھے۔ حضرت امام ربانیؒ کے متوسلین میں سے تھے۔ آپ نے ایک طویل مکتوب ان کے نام تحریر فرمایا جس میں اسلامی معتقدات اور عبادات کو ان کے ذہن نشین کرایا۔

## قلج خاں

دور اکبری کے بہترین جنرل اور عہدِ جاہانگیری میں تیس ہزاری منصب تھا۔ پانچ ہزار سواروں کے افسر تھے۔ حضرت امام ربانیؒ کے پیر بھائی تھے اور لاہور میں صوبہ والے تھے۔ حضرت امام ربانیؒ نے انہیں اجرائے شریعت پر ایک مکتوب میں تحریر فرمایا:۔

”آپ کا شکر یہ ادا کرتا ہوں کہ لاہور ایسے بڑے شہر میں آپ کے وجود سے

بہت سے احکامِ شرعیہ نے رواج پیدا کر لیا ہے۔ دین کو تقویت اور ملتِ ہندو

کی تائید ہوئی ہے۔ یہ شہر فقیر کے نزدیک ہندوستان کے تمام شہروں میں

قطبِ ارشاد کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس شہر کی خیر و برکت تمام شہروں پر

اثر ڈالتی ہے۔ اگر اس شہر میں دین کو رواج حاصل ہوا تو سب جگہ ایک قسم کا

رواج پیدا ہو جائے گا۔ حق سبحانہ آپ کی مدد فرمائیں۔“

ان اصحاب کے علاوہ بڑے بڑے افسرانِ فوج، حکام اور عہدیداران حضرت امام ربانیؒ

کے متوسلین میں شامل تھے جن میں شیخ فرید، مہابت خاں، اسلام خاں، سکندر خاں، حکیم

فتح اللہ خاں شیخ عبدالوہاب، سید محمود اختر، سید احمد خضر خاں لودھی، مرزا بدیع الزمان، جباری خاں  
 وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

## طریق اصلاح

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ہندوستان کی اصلاح کے لئے  
 کس کس طبقہ کو چننا، یہ چیز آج بھی مسلمانوں کی رہنمائی کرے گی۔

سب سے اول آپ نے ان غربا و فقراء کی جماعت تیار کی جو عملی نمونہ بن کر لوگوں کے  
 سامنے اسلامی روایات پیش کر سکیں۔ اس کے لئے آپ نے روحانی کمالات سے کام لیا۔  
 دوسرے درجہ پر آپ نے اہل علم اور سنجیدہ طبقہ کے ذہنوں میں انقلاب پیدا کیا اور صحیح عقائد  
 اسلامیان تک پہنچائے۔ اس کے لئے آپ علم و استدلال کی طاقت حرمت میں لائے۔

تیسرے درجہ پر ان امراء کو جو خالص سنی المذہب تھے اور با اختیار تھے اپنی ذمہ داریاں  
 محسوس کرنے کی تلقین کی اور ان کی عزت کو ملحوظ رکھتے ہوئے انہیں اپنے مکتوبات شریف  
 سے نوازا اور ان کی تسلی و تشفی فرمائے رہے۔

چوتھے درجہ پر بادشاہ جو کہ ہندوستان میں سب سے زیادہ با اختیار تھا، کی اصلاح کے  
 لئے آپ کو مختلف قسم کی صعوبتوں اور اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا لیکن یہ ایک نصیب نکتہ تھا  
 جس کی طرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اشارہ النَّاسُ عَلٰی دِينِ مَلُوكِهِمْ ہے۔  
 پہلے تین درجوں میں حضرت امام ربانی بہترین کامیابی حاصل کر چکے تھے اب صرف  
 آخری درجہ باقی تھا اور اس میں کامیابی کے لئے آپ قید و بند کی مصیبتیں اٹھائیں۔  
 حقیقت میں اصلاح کے لئے قدم اٹھانا بوالہوسوں کی نظر میں ایک سیاسی شغل سے

زیادہ نہیں ہوتا اور وہ لوگ عمد آ یا سہواً اس نیک نیتی کو سیاست میں کھینچ کر لے جاتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت عرب کی سر زمین میں خدا کا نام بلند کرنے کے لئے مبعوث ہوئے تو بد باطن لوگوں نے یہی اتہام آپ پر لگایا اور کہا کہ آپ بادشاہی چاہتے ہیں یا مال؟ جس چیز کی آپ کو تمنا ہو لیجئے مگر ہماری اصنام پرستی میں دخل نہ دیجئے۔ اس وقت آپ نے کفار سے فرمایا کہ مجھے ان چیزوں کی خواہش نہیں۔ میں تو احکم الحاکمین کی وحدانیت کا سبق پڑھنے آیا ہوں۔ بالکل یہی طریقہ حضرت امام ربانیؒ کے ہاتھوں میں مخالفین نے اختیار کیا اور حضرت امام ربانیؒ کو ایک سیاسی عمرہ ثابت کرنے کی کوشش کی۔

اکبری دور کا تجزیہ حضرت امام ربانیؒ کے سامنے تھا جبکہ بادشاہ باوجود مسلمان کہلانے کے کفار اور مشرکین کی رسوم اور عقائد کا پابند ہو گیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا تھا کہ عوام سے لے کر امرا تک اسی رنگ میں رنگے جانے لگے بلکہ اکثر رنگے گئے۔ ایک مسلمان جب اس دور کا تصور ذہن میں لاتا ہے تو یقیناً اس کی روح کو بادشاہ اکبر کا نام سن کر سخت کوفت ہوتی ہے۔ عہدِ جہانگیری میں اس فتنہ کا عروج پکڑنا یقیناً ہندوستان میں اسلام کو کھیل کر رکھ دینا حضرت امام ربانیؒ اتنے عرصہ میں اصلاح کا دو تہائی کام کر چکے تھے۔ صرف بادشاہ کی اصلاح باقی تھی۔ جہانگیر کی خوش بختی سمجھتے کہ اس کی طبیعت اسلام سے اچھی طرح مانوس تھی مگر مشیر خاص کچھ ایسے تھے جن سے اُلجھنے کی جرات نہ کر سکتا تھا۔ اس وقت صرف اسی طور پر سناکے ہندوستان میں بہترین انقلاب آسکتا تھا کہ بادشاہ ان مشیروں کے ماتم تزدیر سے آزاد ہو جائے اور انہیں مختار و کل نہ بنائے۔ اپنے پروردگار کے احکام کے سامنے سر تسلیم خم کر لے۔ جب پہلی دفعہ حضرت امام ربانیؒ دربار میں تشریف لے گئے تو صرف آپ کے مقامات پر بحث ہوتی جس سے بادشاہ نے تسلی حاصل کر لی اور جب دوسری دفعہ آپ کو دربار میں بلا یا گیا تو بادشاہ کے



ذہن کو سیاسی الجھن میں ڈالا گیا تھا جو یقیناً بادشاہ کے لئے ناقابلِ برداشت چیز تھی۔

## قید سے رہائی کے احکام

اصلاح کا کام جب منظم طور پر ہو رہا ہو تو یقیناً تخت نشین خائف ہوتے ہیں اور پیچھے آزا ہو جاتے ہیں۔ حضرت امام ربانی کا طریق اصلاح اس طور سے بے غرض اور ریاسے پاک تھا کہ بادشاہ باوجود اپنے جاسوسوں کی رپورٹوں کے کوئی ایسی چیز اخذ نہ کر سکا جس میں سوائے خدا کا نام بلند کرنے اور شریعتِ محمدی کے اجراء، زہد و تقویٰ اور کفر و طغیان سے بیزاری کے اور کچھ نہ مل سکا اور سب سے بڑھ کر یہ چیز کہ جن متوسلین نے جوشِ محبت میں آکر بادشاہ سے بغاوت کی تھی انہیں حضرت امام ربانی نے اس کام سے روک دیا اور وہ بدستور بادشاہ کو بادشاہ کی حیثیت سے دیکھنے لگے۔ اس سے بڑھ کر اخلاص کا امتحان جہاں گیر کو کیا جاتے تھا۔ طبیعت کچھ پٹی اور حضرت امام ربانی کے متعلق سیاسی شکوک رفع ہو گئے اور آپ کی رہائی کے احکام جاری کر دیئے۔

## رہائی میں رکاوٹ

ایک سال حضرت امام ربانی اس طور جس میں رہے مگر نور جہان اور آصف الدولہ جن کی وجہ سے سلطنت میں روافض کا اقتدار تھا، ان کے لئے حضرت مجدد الف ثانی کی رہائی تکلیف دہ تھی۔ جہاں گیر کے دل و دماغ پر قابض ہونے کی وجہ سے نور جہان نے حضرت امام ربانی کی رہائی میں ایک اور سال کی تاخیر کر دی۔ اس سال کے دوران میں روحانی طور پر جہاں گیر کو رادراست پر آنے کی تہیہ کی گئی۔ من جلد ان میں سے ایک یہ ہے

کہ جہانگیر کی لڑکی ایک رات خواب میں حضور سرور کو نمین تاجدار مدینہ فداہ امی و ابی کی زیارت سے مشرف ہوئی اور آپ کو حضرت امام ربانیؒ کو قید کرنے کی وجہ سے اپنے باپ پر ناراض پایا۔ صبح اس نے یہ خواب اپنے باپ جہانگیر کو سنایا جس سے جہانگیر بہت ہی پریشان ہوا اور اپنے فعل پر نہایت نادم ہوا۔ اس وقت نوربہاں اور آصف الدولہ کی سیاسی چال منظرِ عام پر آئی۔

## ربانی

اپنے روحانی کمالات کے عروج کی انتہائی منزلوں پر پہنچنے کے علاوہ حضرت امام ربانیؒ اسلامیانِ ہند کی اصلاح کے لئے جس بنیاد کو صحیح کرنا چاہتے تھے وہ بھی بالکل صحیح ہو گئی۔ جہانگیر نے ایک ندامت بھری عرضی اپنے جرم کی معافی چاہنے کی غرض سے حضرت امام ربانیؒ کی خدمت میں تحریر کی اور لشکرِ سلطانی میں آپ کے جلوہ افروز ہونے کی تمنا کی۔ ساتھ ہی دربار کے کارپردازوں کو حکم لکھا کہ حضرت امام ربانیؒ کو کمال عزت و افتخار کے ساتھ قلعہ سے رہا کیا جائے۔

## شرائط

حضرت امام ربانیؒ نے اس عرضی کے جواب میں تحریر فرمایا کہ:

”میرا اس قلعہ سے نکلنا چند شرائط پر مبنی ہے۔ بادشاہ کو سجدہ بند کیا جائے۔ بیچہ گاؤں سے کسی مسلمان کو روکا نہ جائے۔ کفار نے جہاں جہاں مساجد شہید کی ہیں وہ از سر نو تعمیر کرائی جائیں۔ کفار سے بوجہ شریعت جزیہ لیا جائے۔ خلافِ شرع تمام قوانین منسوخ کر کے شریعتِ محمدی کے قوانین جاری کئے جائیں۔ تمام بدعات کے کام بند کئے جائیں۔ تمام

ہندوستان کے قیدی رہا کئے جائیں۔ دربارِ عام کے سامنے ایک مسجد جامع تعمیر ہو جہاں

عام مسلمان نماز ادا کریں۔“

جہانگیر نے یہ تمام شرائط قبول کیں اور آپ قلعہ سے باہر تشریف لائے۔

## خطرے کا سدباب

بادشاہ کا راہِ راست پر آجانا تمام ملک کے راہِ راست پر آ جانے کے مترادف ہوتا ہے۔ جہانگیر راہِ راست پر آ تو گیا مگر اس کے اسی طریق پر قائم رہنے میں اشتباہ تھا۔ اس کے سفیر اس سے جدا نہ ہو سکتے تھے۔ نور جہاں بیوی تھی اور بیوی بھی وہ جس کا بے دام غلام بن چکا تھا۔ دوسری طرف آصف جاہ تھا جو کہ بیوی کا بھائی تھا۔ یہ دونوں رشتے ایسے تھے جو دل کے مکتہ رکرنے میں مددگار بن سکتے تھے اور اسلامی کام میں رکاوٹ بن سکتے تھے۔ اس چیز کے پیش نظر حضرت امام ربانیؒ نے جہانگیر کی معیت اختیار کر لی تاکہ یہ اپنی ذمہ داری جو مسلمان بادشاہ ہونے کی حیثیت سے اس پر عائد ہوتی ہے مکمل کر لے۔

نباہ کے حضرت امام ربانیؒ کے صاحب زادگان کو بھی بلا لیا گیا۔ جہانگیر بھی آپ کا ایسا معتقد ہوا کہ ذمہ داریاں اور فرائض ادا کرنے میں نہ نور جہاں سدا راہ بن سکی نہ آصف جاہ کی شیعیت دین کی ترویج کو روک سکی۔

اس عرصہ میں لکھے گئے مکتوبات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام ربانیؒ کو فوجی حراست میں رکھا گیا لیکن اس حال میں بھی آپ کا مقصود دینِ متین کی تجدید اور احیاء تھا اس کے متعلق آپ نے ایک مکتوب میں تحریر فرمایا ہے:-

”اللہ تعالیٰ کا حمد اور احسان ہے کہ آپ صحت و عافیت سے ہیں

اور درافتادہ دوستوں کے حالات سے غافل نہیں ہیں۔ اس طرف کے  
 فقرا کے احوال حمد کے لائق ہیں کہ عین بلا میں عافیت اور عین فقرہ میں  
 جمعیت حاصل ہے۔ وہ فرزند و دوست جو ہمراہ ہیں ان کے اوقات بھی  
 جمعیت سے گزر رہے ہیں اور ان کے احوال میں بھی ترقی ہو رہی ہے۔  
 غرض شکران کے حق میں خائفانہ نامشخص ہے کہ شکر یوں کی عینی تلویحات  
 میں ان کو تمکین حاصل ہے اور عین مختلف گرفتاریوں میں جو اس مقام  
 کو لازم ہیں بایک ہی مطلب کے گرفتار ہیں۔ نہ ان کے ساتھ کسی کا تعلق ہے،  
 نہ ان کو کسی سے واسطہ اس کے علاوہ بے اعتبار اور جس وقت میں گرفتار ہیں  
 یہ ایک عجیب قسم کی حبس ہے جس کے عوض ربانی کو جو کے برابر نہیں خریدتے  
 اور عجب قید ہے جس کے عوض خلاصی کو کوڑی کے برابر نہیں لیتے۔“

اگر نظر غور سے دیکھا جائے تو یہی زمانہ جہانگیر کی لایا پلٹنے کا زیادہ موجب ہے۔  
 حضرت امام ربانیؒ کی عملی زندگی آپ کے چند و نصائح اور روحانی کمالات کی روشنی  
 انہی ایام میں جہانگیر کے سامنے آئی اور اس نے عزم باجزم کر لیا کہ ہندوستان کو دارالاسلام  
 بنا کر میرے فرائض میں داخل ہے۔ شکر شاہی بھی جو آپ کو حراست میں رکھے رہتا تھا آپ  
 کی صحبت سے اسلامی زندگی کی تاثیر سے عالی نہ رہا اور حضرت امام ربانیؒ کا تکلیفیں  
 جھیلنا اور طرح طرح کے مصائب برداشت کرنا اس مقصد کو پورا کر گیا جس کیلئے آپ کو  
 مجدد الف ثانیؒ کہا جاتا ہے۔ فتنہ اکبری کی روح فنا ہو گئی، کفار کی سر بستی پست ہو گئی،  
 فض و بدعات کا بے کھٹکے و نذرنا مارک گیا۔ آج ہندوستان میں اسلامی شان و شوکت کے جو آثار  
 دکھائی دے رہے ہیں یہ حضرت امام ربانیؒ مجدد الف ثانیؒ ہی کے فیض کی بدولت ہے۔

## جہانگیر کی عقیدت

حضرت امام ربانیؒ کے ساتھ جہانگیر کی جو عقیدت ہو گئی تھی اس کا ذکر کتابوں میں

یوں لکھا ہے :-

کشمیر سے آنے جاتے دو دفعہ بادشاہ نے حضرت امام ربانیؒ کے لنگریا باورچی خانہ سے کھانا کھانے کا شرف حاصل کیا۔ کھانا اگرچہ سادہ تھا مگر بادشاہ نے کہا کہ میں نے ایسا تہیہ کھانا آج تک نہیں کھایا۔

تہیہ یہی لکھا ہے کہ جہانگیر آخر عمر میں کہا کرتا تھا :-

”میں نے کوئی ایسا کام نہیں کیا جس سے نجات کی امید ہو البتہ میرے پاس

ایک دستاویز ہے۔ اس کو اللہ کے سامنے پیش کروں گا۔ وہ دستاویز یہ ہے

کہ مجھ سے ایک روز شیخ احمد سرہندیؒ نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ ہمیں جنت میں

لے جائے گا تو تیرے بغیر نہ جائیں گے۔“

# تعلیمات

محبوبانِ خدا کے صحیح حالات ان کی عملی زندگی اور ارشادات ہوا کرتے ہیں اور کشف و کرامات ان حضرات کے روحانی کمالات ہوتے ہیں گو ان کا ذکر ہمارے لئے موجب برکات ہے مگر جس مقصد کے لئے یہ کتاب لکھی جا رہی ہے وہ اور ہے۔ ہندوستان کے مسلمان دورِ اکبری میں جس فتنے سے آشنا ہوئے تھے وہی فتنہ آج پھر ابھرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ جن انجمنوں میں اس وقت کے مسلمانوں کو الجھایا گیا تھا آج وہی انجمنیں مسلمانانِ ہندوستان کے سامنے کھڑی ہیں۔ اس دور میں بھی حکومت اور اس کے مشیر مسلمانوں کی اسلامی زندگی تباہ و برباد کرنا چاہتے ہیں۔ آج بھی ویسی ہی لوٹ کھسوٹ شروع ہو رہی ہے۔ وہ کون سی چیز ہے جو اس وقت مسلمانوں کے عروج میں سید راہ تھی اور آج نہیں؟ کیا اکبر ایسے خیالات رکھنے والے لوگ آج نہیں؟ اور کیا وہ بااقتدار نہیں؟ کیا پیر پر ایسے اسلام کے سخت ترین دشمن موجود نہیں؟ کیا فیضی والوں افضل ایسے لوگوں کی اس وقت کمی ہے؟ بادشاہ کو سجدہ نہ سہی مگر کیا وہ بت کم ہیں جن کی دن رات پوجا ہو رہی ہے؟ کیا آج مسلمانوں میں بدعات کا رواج نہیں پایا جاتا؟ مسلمان اوہام کے شکار نہیں ہو چکے؟ فسق و فجور کی کمی ہے؟



کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کے ولدا وہ حال حال نہیں ہو گئے؟ عقائد کی تخریب میں ہی روشنی  
 نے کوئی کمی رکھی؟ ایسے تاریک دور میں مسلمانانِ پاک دہند کے لئے حضرت امام ربانیؒ کا مسک  
 ہی نئی زندگی بخش سکتا ہے اور انہی کا فیض ہمارے روحانی امراض کو رفع کر سکتا ہے۔  
 اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ وہ کونسا سچا، سیدھا، قریب ترین اور اخلاص سے بھرا ہوا راستہ  
 ہے جس پر حضرت امام ربانیؒ نے مسلمانانِ پاک دہند کو چلنے کی دعوت دی۔

## توحید

چاہئے کہ پہلے باطل خداؤں کی نفی کر کے معبودِ برحق جل شانہ کا اثبات کرے اور جو کچھ  
 چوٹی و چندی کے داغ سے موسوم ہو اس کو لاکے نیچے داخل کر کے خدائے بے چوں کے ساتھ  
 ایمان لائے۔ سب بڑھ کر عبادت کلمہ طیبہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کی نفی و اثبات میں ہے۔  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس طرح فرمایا ہے کہ اگر میرے  
 سوا سات آسمانوں اور سات زمینوں کو ایک پتہ میں اور کلمہ شریف لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ  
 کو دوسرے پتہ میں رکھا جائے تو کلمہ والا پتہ جاری ہوگا۔ کیوں افضل و راجح نہ ہو جبکہ اس کا  
 ایک کلمہ تمام ماسوائے حق یعنی آسمانوں، زمینوں اور عرش و کرسی و لوح و قلم و علم و آدم کی نفی  
 کرتا ہے اور اس کا دوسرا کلمہ معبودِ برحق کا اثبات کرتا ہے جو زمینوں اور آسمانوں کو پیدا  
 کرنے والا ہے۔ حق تعالیٰ کے ماسوا جو کچھ نفس و آفاق میں ہے سب چوٹی اور چندی کے داغ  
 سے لہٹرا ہوا ہے۔ پس جو کچھ نفس و آفاق کے آئینوں میں جلوہ گر ہوا بطریق اولیٰ چند چوں  
 ہوگا جو نفی کے لائق ہے۔

حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں: الْعَبْدُ وَنَ مَا تَحْتُونَ وَاللَّهُ

خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ (کیا تم ان چیزوں کی عبادت کرتے ہو جو تم اپنے ہاتھ سے بناتے ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تم کو اور تمہارے عملوں کو پیدا کیا ہے)

ہمارا اپنا تراشا ہوا اور بنایا ہوا خواہ ہاتھ کے ذریعے ہو خواہ عقل و وہم کے ساتھ سب حق تعالیٰ کی مخلوق ہے اور عبادت کے لائق نہیں۔ عبادت کے لائق وہی خدا ہے بے چون و بے چگون ہے جس کے دامنِ ادراک سے ہماری عقل و وہم کا ہاتھ کوتاہ ہے اور ہماری کشف و شہود کی آنکھ اس کی عظمت اور جلال کے مشاہدہ سے خیرہ اور تباہ ہے۔ ایسے خدا ہے بے چون و بے چگون کے ساتھ غیب کے طریق کے سوا ایمان بے تیر نہیں ہوتا کیونکہ ایمان شہود حق تعالیٰ کے ساتھ ایمان نہیں ہے بلکہ اپنی تیرا شہود اور بنائی ہوئی چیز کے ساتھ ہے کہ وہ بھی حق تعالیٰ کی مخلوق ہے۔ گویا ایمان شہود وغیرہ کے ایمان کو حق تعالیٰ کے ایمان کے ساتھ شریک کرنا ہے بلکہ صرف بغیر ہے

اعاذنا اللہ سبحانہ عن ذالک  
 در مکتوب ۹ جلد ثانی

## ردِ شرک

حق تعالیٰ کے ساتھ شریک نہ بنایا جائے۔ نہ ہی وجوب وجود میں اور نہ ہی عبادت کے استحقاق میں۔ جس شخص کے اعمال ریا و مومہ سے پاک نہ ہوں اور حق تعالیٰ کے سوا کسی اور سے اجر طلب کرنے کے فتنہ سے صاف نہ ہوں، اگرچہ وہ طلبِ قبول اور ذکرِ جمیل سے ہو وہ شخص دائرہ شرک سے باہر نہیں ہے اور نہ ہی وہ موحد و مخلص ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "شرک میری امت میں اس چوٹی کی رفتار سے بھی زیادہ پوشیدہ ہے جو سیاہ رات میں سیاہ پتھر پر چلتی ہے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شرک اصغر سے بچو۔ یاروں نے عرض کیا کہ شرک اصغر کیا ہے۔ فرمایا کہ بربا۔ شرک و کفر کی رسموں کی تعظیم کو شرک میں بڑا دخل اور رسوخ ہے اور شرک کی تصدیق اور اظہار کرنے والا اہل شرک میں سے ہے اور اسلام و کفر کے مجموعہ احکام پر عمل کرنے والا ہے۔ کفر سے بیزار ہونا اسلام کی شرط ہے اور شرک سے پاک ہونا توحید کا نشان۔ دگر اور داور بیماریوں کے دور کرنے کے لئے اصنام اور طاغوت یعنی بتوں اور شیطانوں سے مدد مانگنا جو جاہل مسلمانوں میں شائع ہے عین شرک و گمراہی ہے اور تراشیدہ اور تراشیدہ پتھروں سے عاجزوں کا طلب کرنا۔ یہ واجب الوجود جل شانہ کا محض کفر و انکار ہے۔ اللہ تعالیٰ بعض گمراہوں

کے حال کی شکایت بیان فرماتا ہے۔

يُرِيدُونَ أَن يُنْحَاكَم مِّنْ أَلْسِنَتِكُمْ وَقَدْ أَمَرُوا  
بِأَلْسِنَتِكُمْ وَنُفُوسِكُمْ بِأَن تَكْفُرُوا بِهِ وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَن يُضِلَّكُمْ ضَلًّا بَعِيدًا

یہ لوگ چاہتے ہیں کہ طاغوت کی طرف اپنا فیصلہ لے جائیں حالانکہ ان کو حکم ہے کہ اس کا انکار کریں لیکن شیطان چاہتا ہے کہ ان کو سخت گمراہ کرے) اکثر عورتیں کمال جہالت کے باعث اس قسم کی ممنوع استمداد میں مبتلا ہیں اور ان بے مسملی رسموں سے بلیہ و مصیبت کا وقع ہونا طلب کرتی ہیں اور شرک اور اہل شرک کی رسموں کے ادا کرنے میں گرفتار ہیں۔ خاص کہ مرض چھپک کے وقت نیک و بد عورتوں سے یہ بات مشہور و محسوس ہوتی ہے۔ شاید ہی کوئی عورت ہوگی جو اس شرک سے خالی ہو اور شرک کی کسی نہ کسی رسم میں مبتلا نہ ہو (مگر جس کو اللہ تعالیٰ بچائے) ہندوؤں کے بڑے دن کی تعظیم کرتی اور ان کی مشہور رسموں کو بجالاتی ہیں اور اپنی

عید مناتی ہیں اور کافروں اور مشرکوں کی طرح ہدیہ اور تحفہ اپنی بیٹیوں، بہنوں کو بھیجتی ہیں اور اس موسم میں اپنے برتنوں کو رنگ کر کے ان کو سرخ چاولوں سے بھر کر بھیجتی ہیں اور اس موسم کا بڑا شان اور اعتبار بناتی ہیں۔ سب شرک اور دین اسلام کا کفر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمُ إِلَّا رَهْمًا مُّشْرِكُونَ ط

(ان میں سے اکثر ایمان نہیں لاتے بلکہ شرک کرتے ہیں) اور حیوانات کو مشائخ کی نذر کرتے ہیں اور ان کی قبروں پر جا کر ذبح کرتے ہیں۔ روایات فقہیہ میں اس کو بھی شرک میں داخل کیا ہے اور اس بارے میں بہت مبالغہ کیا ہے اور اس ذبح کو حق کے ذبیحوں کی قسم سے خیال کیا ہے جو ممنوع شرعی ہے اور شرک کے دائرہ میں داخل ہے۔ اس عمل سے بھی پرہیز کرنا چاہئے کہ اس میں بھی شرک کی بُر پائی جاتی ہے۔ نذر اور منت کے وجہ اور بہت ہیں۔ کیا حاجت ہے کہ حیوان کے ذبح کی منت نذر مانیں اور حق کے ذبیحوں سے ملائیں اور حق کے پجاریوں کے ساتھ مشابہت پیدا کریں۔ اسی طرح وہ روزے جو عورتیں پیروں اور بیبیوں کی نیت پر رکھتی ہیں اور اکثر ان کے ناموں کو اپنے پاس سے گھڑ کر ان کے نام پر اپنے روزوں کی نیت کرتی ہیں اور ہر روزہ کے افطار کے لئے خاص اہتمام کرتی ہیں اور خاص طور پر افطار کرتی ہیں اور روزوں کے لئے دنوں کا نعت بھی کرتی ہیں اور اپنے مطلبوں اور مقصدوں کو ان روزوں پر موقوف کرتی ہیں اور ان روزوں کے ذریعے ان سے حاجتیں طلب کرتی ہیں اور ان روزوں کے ذریعے ان کو اپنا حاجت روا اور مشکل کشا جانتی ہیں۔ سب عبادت میں شرک ہے اور غیر کی عبادت کے ذریعے اس غیر سے اپنی حاجتوں کا

و مکتوب ۴۱ جلد ثالث

طلب کرنا ہے۔

## اتباع سنت

وظائف بندگی کو ادا کرنا اور حضرت جل مجدہ کی جانب ہمیشہ باور ہر وقت متوجہ رہنا پیدائش انسان کا مقصود ہے۔ یہ بات صرف اسی وقت پیدا ہو سکتی ہے کہ سنت سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہراً و باطناً ہر طرح سے پوری پوری اتباع کی جائے۔ (مکتوب ۴۱ جلد ثالث)

آخری نجات اور ابدی فلاح سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے وابستہ ہے اس لئے ایک مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت سے ہی درجہ محبوبیت پر فائز ہوتا ہے اور آپ کی متابعت کے ذریعے سے ہی مرتبہ ہدیٰ پر مشرف ہو سکتا ہے جو تمام مراتب کمال سے بالا ہے اور مقام محبوبیت کے حصول کے بعد حاصل ہوتا ہے۔

جو حضرات برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت میں کامل تر ہوتے ہیں ان کو انبیاء بنی اسرائیل سے تشبیہ دی گئی۔ اولوالعزم انبیاء مرسلین بھی اتباع خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی ثنا کرتے رہے ہیں۔ بلاشبہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو ان کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنی پڑتی۔

آپ کی اتباع فضیلت کے باعث ہی آپ کی امت تمام امتوں سے افضل بہتر ہے۔ اسی سبب سے تمام امتوں میں سب سے زیادہ اور سب سے پہلے

یہ امت ذرا عملِ جنت ہوگی اور خداوندِ عالم کی اعلیٰ ترین نعمتوں سے بہرہ انداز ہوگی۔

(مکتوب ۲۲۹ جلد اول)

سرورِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل و وقسم کے ہوتے تھے۔ ایک بطریقِ عبادت اور دوسری عبادت۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو عمل عبادت کے طور پر ہوتے تھے ان کے مخالف عمل کو بدعتِ منکر سمجھتا ہوں اور اس کی مانعت اور بندش میں بہت زیادہ جدوجہد کرتا ہوں کیونکہ دین میں ایسا وہی ہے جو مردود ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو افعال برسبیلِ عرف و عادات ہوتے تھے ان کے مخالف عمل کو بدعتِ منکر نہیں سمجھتا اور نہ ان کی مانعت اور بندش میں ضرورت سے زیادہ جدوجہد کرتا ہوں کیونکہ یہ عمل دین سے متعلق نہیں۔ ان کا وجود عرف کے سبب سے فنا، دین اور ملت کے سبب سے نہیں۔

اور عرف و رواج ایک شہر کا دوسرے شہر کے عرف و رواج سے مختلف کرتا ہے اور ایک شہر میں بھی زمانوں کے تفاوت سے عرف و عادات میں تغیر واقع ہو جایا کرتا ہے مگر اس کے باوجود اس قسم کی سنت کی پاسداری اور اس سنتوں پر عمل بھی بہترین نتیجہ پیدا کرتا ہے اور نتیجہ سعادت ہے۔

(مکتوب ۲۳۱ جلد اول)

فرزندِ اقیامت کو کام آنے والی چیز اتباعِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ صوفیاء کے حال، وجد، علوم، معارف، رموز اور اشارات اگر اس متابعت اور اتباع کے مطابق ہوں تو بہت بہتر و درنہ سراسر خیر دین اور عتاب و ربانی کا سراپا ہے۔ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کو کسی نے خواب میں دیکھا۔ ان کی



علوم و معارف پہیچ ثابت ہوئے۔ صرف ان چند کفتوں نے کام دیا جو درمیان شب  
 میں پڑھ لیا کرتا تھا: "لہذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء راشدین  
 کے نقش قدم پر چلنے کو ضروری سمجھو کیونکہ یہ برکت اور سراسر برکت ہے اور  
 شریعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت سے پوری پوری احتیاط برتو۔  
 نہ قولاً مخالفت ہو اور نہ عملاً نہ اعتقاداً۔ کیونکہ یہ مخالفت سراسر نحوست اور بربادی ہے۔"

(مکتوب ۱۸۵۔ جلد اول)

اس مبارک اور پسندیدہ متابعت کا ایک ذرہ دنیا کی تمام لذتوں اور آخرت  
 کی تمام سختیوں سے بہتر ہے۔ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت سے  
 فضیلت حاصل ہو سکتی ہے اور ہر ایک عظمت کی صرف یہی ایک صورت ہے۔ قبولہ  
 (دوپہر کو آرام کرنا) جو متابعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیت سے ہو ان  
 کروڑوں شب بیداریوں سے افضل ہے جو متابعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 سے محروم ہوں۔ عید الفطر کا افطار جس کا شریعت نے حکم دیا ہے ابدالاً باورو روزے  
 رکھنے سے فتنل ہے۔ اہل ریاضت بہت کچھ مجاہدے کرتے ہیں لیکن اگر وہ  
 شریعت مطہرہ کے مطابق نہ ہوں تو بے کار ہیں اور بے سود۔ اگر ان اعمال شاقہ  
 پر کوئی اجر مرتب بھی ہوتا ہے تو وہ صرف دنیاوی۔

(مکتوب ۱۱۴۔ جلد اول)

انبیاء علیہم السلام کی بعثت اور تکلیفات شرعی کا مقصود اور حکمت نفس امارہ  
 کی تعجیر و تخریب ہے۔ خواہشات نفسانی کو مٹانے اور دفع کرنے کے لئے احکام شرع

وارد ہوتے ہیں۔ تقاضا، شریعت پر جس قدر عمل کیا جائے اسی قدر خواہش نفسانی میں زوال ہوتا ہے لہذا خواہش نفس کے ازالہ میں کسی ایک حکم شرعی پر عمل کرنا ان ہزار سالہ مجاہدوں اور یاضمتوں سے بہتر ہے جو اپنی رائے سے ہوں بلکہ یہ تمام مجاہد اور یاضمتیں جو شریعتِ نورا کے بموجب نہ ہوں خواہش نفسانی کے لئے مؤیدِ مقوی ہیں۔

(مکتوب ۵۲ - جلد اول)

## درستی عقیدہ

علماء اور اطباء کے نزدیک مسلم ہے کہ جب تک مریض کا مرض زائل نہ ہوئی غذا مفید نہیں بلکہ مقوی مرض ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے مرض کا ازالہ کرتے ہیں اس کے بعد رفتہ رفتہ مناسب غذا دیتے ہیں۔ اسی طرح جب تک کوئی شخص قلبی امراض میں مبتلا ہے کوئی عبادت یا کوئی اطاعت نفع نہیں دے سکتی بلکہ مضر ہے۔

(مکتوب ۱۰۵ - جلد اول)

قرآن پاک اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بموجب جس طرح علماء اہل حق نے عقائد کو سمجھا ہے، اسی کے بموجب اپنے عقائد کو صحیح کرنا ہمارے اوپر لازم ہے۔ ہماری اور آپ کی سمجھ درجہ اعتبار سے ساقط ہے۔ جب تک ان بزرگوں کی توضیح اور تفسیر کے بموجب نہ ہو ہر بدعتی اور ہر گمراہ اپنے عقائد باطلہ کے لئے کتاب اور سنت ہی کی آڑ لیا کرتا ہے حالانکہ قطعاً بے سود اور بے معنی۔ لہذا سب سے پہلے عقائد کو صحیح کرنا ضروری ہے۔ اس کے بعد حلال، حرام، فرض، واجب وغیرہ شرعی احکام کا علم پھر اس کے بموجب عمل، اس کے بعد تزکیہ اور تصفیہ کا نمبر ہے۔ جب تک

مقتاد صحیح نہ ہوں احکام شریعت کی واقفیت فائدہ مند نہیں اور جب تک یہ دونوں  
نہ ہوں صفائی قلب ناممکن ہے۔ (مکتوب ۲۵ جلد اول)

## سخم نبوت

تمام انبیاء علیہم السلام کے خاتم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں آپ  
کا دین گزشتہ دہائیوں کا ناسخ ہے اور آپ کی کتاب تمام گزشتہ کتابوں سے بہتر ہے۔  
آپ کی شریعت سنو سنو ہوگی بلکہ قیامت تک باقی رہے گی۔ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا علیہ  
الصلوٰۃ والسلام نزول فرما کر آپ کی شریعت پر عمل کریں گے اور آپ کے امتی  
ہو کر رہیں گے۔ (مکتوب ۶۷ جلد ثانی)

## شفاعت برحق ہے

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام و صالحین کی شفاعت برحق ہے یعنی اللہ تعالیٰ  
کے اذن سے اول پیغمبر گناہگار مومنوں کی شفاعت کریں گے پھر صالحین رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میری شفاعت میری امت میں سے کبیرہ گناہ کرنے  
والوں کے لئے ہوگی۔" (مکتوب ۶۷ جلد ثانی)

## فضائل صحابہ و حب اہل بیت

حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی افضلیت صحابہ و تابعین کے اجماع سے  
ثابت ہو چکی ہے۔ چنانچہ اس کو ائمہ بزرگواران کی ایک بڑی جماعت نے نقل کیا ہے

جن میں سے ایک امام شافعی و عہدہ اللہ علیہ ہیں۔ شیخ ابوالحسن اشعری جو اہل سنت کے  
رہیں ہیں فرماتے ہیں کہ شیخینؒ کی فضیلت باقی امت پر قطعی ہے۔ سوائے جاہل یا متعصب  
کے اس کا کوئی انکار نہیں کرتا۔ (مکتوب ۶۷ - جلد ثانی)

شیخینؒ کی فضیلت اور حسینؒ کی محبت اہل سنت و الجماعت کی علامتوں میں  
سے ہے یعنی شیخینؒ کی فضیلت جب حسینؒ کی محبت کے ساتھ جمع ہو جائے تو یہ  
اہل سنت و الجماعت کے خاصوں میں سے ہے۔ شیخینؒ کی فضیلت صحابہؓ اور  
تابعین کے اجماع سے ثابت ہو چکی ہے۔ چنانچہ اس کو اکابر ائمہ نے نقل کیا ہے۔  
عبدالرزاق نے جو اکابر شیعہ میں سے ہے جب انکار کی مجال نہ دیکھی تو  
بے اختیار شیخینؒ کی فضیلت کا قائل ہو گیا اور کہنے لگا کہ جب حضرت علیؓ شیخینؒ  
کو اپنے اوپر فضیلت دیتے ہیں تو میں بھی حضرت علیؓ کو اللہ وجہ کے ارشاد  
کے بموجب شیخینؒ کو حضرت علیؓ پر فضیلت دیتا ہوں۔ اگر وہ فضیلت نہ دیتے تو  
میں بھی نہ دیتا۔ یہ بڑا گناہ ہے کہ حضرت علیؓ کی محبت کا دعویٰ کروں اور پھر  
ان کی مخالفت کروں۔ چونکہ حضرت حسینؒ کی خلافت کے زمانہ میں لوگوں کے  
درمیان بہت فتنہ اور فساد ہو گیا تھا اور لوگوں کے دلوں میں کدورت پیدا  
ہو گئی تھی اور مسلمانوں کے دلوں میں عداوت اور کینہ غالب آ گیا تھا اس لئے شیخینؒ  
کی محبت کو بھی اہل سنت و الجماعت کی شرائط میں سے شمار کیا گیا تاکہ کوئی جاہل  
اس سبب سے حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب پر ہدھنی نہ کرے  
اور آپ کے جانشینوں کے ساتھ بغض و عداوت حاصل نہ کرے۔ پس حضرت

اور جو شخص یہ محبت نہیں رکھتا وہ اہل سنت سے خارج ہے۔ اس کا نام خارجی ہے اور جس نے حضرت امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کی محبت میں افراط کی طرف کو اختیار کیا، اور جس قدر کہ مناسب ہے۔ اس سے زیادہ اس سے وقوع میں آتی ہے۔ اور محبت میں غلو کرتا ہے، اور حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو سب و ظمن کرتا ہے، اور صحابہ اور تابعین اور سلف صالحین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے طریق کے برخلاف چلتا ہے۔ وہ رافضی ہے۔ پس حضرت امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کی محبت میں افراط اور تفریط کے درمیان جن کو روافض اور خوارج (جمع خارجی) نے اختیار کیا ہے، اہل سنت و جماعت متوسط ہیں اور شک نہیں کہ حق وسط میں ہے اور افراط و تفریط دونوں مذموم ہیں۔

چنانچہ حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت امیر المؤمنین نے کہا کہ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے علیؑ! تمہاری حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال ہے جس کو یہودیوں نے یاں تک دشمن سمجھا کہ اس کی ماں پر بتان لگایا اور عیسائیوں نے یاں تک دوست رکھا کہ اس کو اس مرتبہ تک لے گئے جس کے وہ لائق نہیں تھا۔ یعنی خدا کا بیٹا کہہ دیا۔

پس خارجیوں کا حال یہودیوں کے حال کے موافق ہے اور رافضیوں کا حال نصاریٰ کے مطابق۔ کہ دونوں حق وسط سے برطرف جا پڑے ہیں۔ وہ شخص بہت ہی جاہل ہے جو اہل سنت و جماعت کو حضرت امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کے مجہول سے نہیں جانتا اور حضرت امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کی محبت کو رافضیوں

کے ساتھ مخصوص کرتا ہے۔ حضرت امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کی محبت رفض نہیں ہے بلکہ خلفائے ثلاثہ سے تبری اور بیزاری رفض ہے۔ اور اصحاب کرام سے بیزار ہونا مذموم اور ملامت کے لائق ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر آلِ محمد کی محبت رفض ہے تو حین و انس گواہ رہیں کہ میں رافضی ہوں۔

اہل بیت کی محبت کا نہ ہونا، اہل سنت کے حق میں کس طرح گمان کیا جاتا ہے جب کہ یہ محبت ان بزرگوں کے نزدیک ایمان کی جزو ہے اور خاتمہ کی سلامتی اس محبت کے راسخ ہونے پر وابستہ ہے۔

اہل بیت کی محبت اہل سنت و جماعت کا سرمایہ ہے۔ مخالف لوگ اس معنی سے غافل اور ان کی محبت متوسط سے جاہل ہیں۔

### تقلید و مناقب امام اعظمؒ

بلا تکلف و تعصب کہا جاتا ہے کہ اس مذہب حنفی کی نورانیت کشتی نظر میں دریائے عظیم کی طرح دکھائی دیتی ہے اور دوسرے تمام مذاہب توفیوں اور نہروں کی مانند نظر آتے ہیں، اور ظاہر میں بھی جب ملاحظہ کیا جاتا ہے تو اہل اسلام کا سوا امام اعظم یعنی بہت سے لوگ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے تابع ہیں۔ یہ مذہب باوجود بہت سے تابعداروں کے اصول و فروع میں تمام مذہبوں سے الگ ہے اور استنباط میں اس کا طریق علیحدہ ہے۔ اور یہ معنی حقیقت کا پتہ بتاتے ہیں۔ (مکتوب ۵۵ جلد ثانی)

ہم مقلدوں کو حق نہیں کہ ظاہر احادیث پر عمل کرتے ہوئے اشارہ کی جرات کریں۔ (مکتوب ۲۱۲ جلد اول در مسئلہ رفع سبابہ)



## رام اور رجن

خوب سمجھ لو کہ نہ صرف ہمارا اور تمہارا بلکہ ساری ارضی و سماوی کائنات کا رب ایکسا ایسا خداوند ہے جو سب سے نرالا ہے۔ جہاں تو والد و تثناسل، کفایت و تامل کو کبھی رسائی نہیں ہو سکتی، اور موجوداتِ علم کا کوئی مشعبہ نہ تو اس کے ساتھ کیفیتِ اتما و پیدا کر سکتا ہے اور نہ اسے اپنے اندر جذب کر سکتا ہے۔

بارگاہِ قدس اس سے کہیں بلند و برتر ہے کہ کائنات کا کوئی فرد شانِ وحدیت کو اپنے وجود میں نہاں کئے یا کوئی ہستی بعینہ ذاتِ احدیت کا ظہور ذاتی ہو نہاں مکان کے تقیدات سے قطعاً بے نیاز ہے۔ اس لئے کہ یہ سب چیزیں اس کی مخلوق ہیں۔ ہستی ازلی کی نہ کوئی ابتدا اور بقائے ابدی کی نہ کوئی انتہا ہے۔ پس پرستش کا حقدار وہی اور صرف وہی ہے۔

ہندو میں رام و کرشن کی پرستش کرتے ہیں یہ تو ماں باپ کے ذریعے پیدا ہوئے ہیں۔ رام جبرت کا بیٹا، لچھن کا بھائی اور سیتا کا خاوند ہے۔ رام جب سیتا کو پہچان سکا تو پھر کسی اور کی کیا امداد کرے گا۔ درحقیقت اس تمام لغزش کی ذمہ دار تعلیدِ محض ہے۔ پس یہ کہنا کہ رام و رجن ایک ہی ہستی کے دو نام ہیں کسی طرح بھی ٹھیک نہیں۔ ایک شے خود ہی خالق اور خود ہی مخلوق ہے۔ جو جسمی مشابہت سے واحد نہ ہو پھر وہ بے شہرہ و بے مثال کس طرح ہو سکے۔ رام و کرشن کی پیدائش تک خدائے قدوس کو کسی نے رام و کرشن نہ کہا۔ ان کے پیدا ہونے کے بعد ذاتِ احدیت پر رام و کرشن کا اطلاق کیا۔ اس دعویٰ کی روشن دلیل نہیں کہ ان ناموں کے پڑنے میں خدا تعالیٰ کے عینِ رام و کرشن کی پرستش کی جاتی ہے (مَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ الْهِم)

اللہ کے ماسوا جس کی پرستش کرتے ہو یہ تو ایسے نام میں جو تم اور تمہارے باپے ادا  
نے از خود رکھ لئے۔ اللہ نے ان کی کوئی سزا نازل نہ فرمائی۔

اللہ کے سچے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام جو قریناً ایک لاکھ چوبیس ہزار  
میں مبعوث ہوئے، یہ سب خلقت کو عبادتِ خالق کی ہدایت فرماتے رہے۔ انہوں  
نے لوگوں کو غیر اللہ کی عبادت سے منع کیا۔ اور خود ایک بانیا زبندے کی طرح  
عظمت و جلال کے نیاز سے لرزہ بر اندام رہے اور ہندوؤں کے لوٹا مخلوقِ خدا کو اپنی  
پرستش کی ترغیب دلاتے رہے، اور یہ بات اور بھی عجیب ہے کہ پروردگارِ عالم کا  
وجود تسلیم کر لینے کے باوجود ساتھ ساتھ اس اعتقاد پر بھی قائم ہیں کہ امدیتِ مطلقہ  
ہمارے جسم میں نزول فرما کر مقید ہو کر رہ گئی ہے۔ اور ان کی یہ رقیق ذہنی اختراع ان  
کے استحقاقِ عبادت کا جائز ذریعہ بنی رہی اور اسی بنا پر کہ معبودیت والوہیت کا دائرہ  
صرف محدود نہیں ہے۔ ان کے کردار میں محرمات کو بھی حلت کا درجہ حاصل ہو گیا۔

اس کے برعکس انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام جن کے کردار ان کے گفتار کا آئینہ دار  
ہے۔ انہوں نے جس چیز کو اوروں کے لئے ناجائز کہا۔ اس سے وہ خود پوری پابندی  
سے مجتنب رہے اور ترکیبِ بشریت کو اپنے اور اپنے ماسوا سب لوگوں کے لئے مساویانہ

درجہ کی شے قرار دیا۔ (مکتوب، ۱۶، جلد اول)

خدا کے دشمنوں سے دوستی کا نتیجہ

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا ہے:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ۔

کفار سے جہاد اور ان پر غلظت

کا حکم فرمایا۔ معلوم ہوا کہ ان کے ساتھ غلظت خلقِ عظیم میں داخل ہے۔ (کفار کے ساتھ خلقِ عظیم جیسا کہ انہائے زمان گمان کرتے ہیں کہ ملامت اور شیریں زبانی مروت اور اخلاقِ حسنہ کا تقاضا ہے) اہلِ اسلام کی عزت کفر اور اہلِ کفر کی ذلت میں ہے۔ جو شخص کافروں کو عزیز رکھتا ہے اس نے اہلِ اسلام کو ذلیل کیا۔ کفار کو عزیز رکھنا صرف یہی نہیں کہ ان کی تعظیم کرنا، صدر نشین بنانا، بلکہ اپنی مجالس میں جگہ دینا اور ان سے مصاحبت و ہم زبانی بھی اعزاز میں داخل ہے۔ انہیں دُور ہی رکھنا چاہئے۔ اگر کوئی دنیوی غرض ان کے ساتھ مربوط ہو۔ جو ان کے بغیر حاصل نہ ہو سکے۔ تو شیوہ بے اعتباری کی رعایت رکھتے ہوئے بقدر ضرورت ان سے مشغول ہو۔ اور کمالِ اسلام یہ ہے کہ اس دنیوی غرض کو چھوڑ دیا جائے جو کفار کے ساتھ وابستہ ہو۔

خدا کے دشمنوں کے ساتھ دوستی خدا اور اس کے رسول کے ساتھ دشمنی کی طرف کھینچتی ہے۔ کفار کا کام اسلام اور مسلمانوں کا تمسخر اڑانا ہے اور وہ اس بات کے منتظر ہوتے ہیں، کہ قابو پانے پر مسلمان کو قتل کر ڈالیں یا کافر بنائیں پس اہلِ اسلام کو بھی شرم چاہئے۔ اَلْحَيَاءُ مِنَ الْاِیْمَانِ ط

اہلِ کفار سے جزیرہ جو ہندوستان سے اٹھایا گیا ہے۔ یہ صرف اہلِ کفار کے بیاں کے سلاطین کا مقرب ہونے کی وجہ سے ہے۔ جزیرہ کا مقصود کفار کی ذلت ہے۔ کہ یہ جزیرہ کے خوف سے صاحبِ تہمت نہ ہوں گے۔ بادشاہ کو کیا حق ہے کہ ان سے جزیرہ معاف کرے۔ جو خداوند کریم نے ان کی خواری کے لئے وضع

چاہئیں۔ اور جب مسلمان انہیں اس طرح محسوس کر لیں گے تو لازمی طور پر ان کی مصاحبت سے پرہیز کریں گے۔ کفار سے پوچھ کر ان کی مرضی کے مطابق عمل کرنا ان کی کمال عزت کرنا ہے۔ جس نے ان کی امداد طلب کی یا ان کے توسط سے دعا چاہی اس نے کیا چاہا۔ جب کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا دُعَاءُ الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ ط

کفار کی دعا باطل و لاعاقل ہے۔ اس کی قبولیت کا کیا احتمال ہے۔ ہاں اس طریق سے کفار کی عزت افزائی ہوتی ہے۔ یہ تو اگر دعا بھی کریں تو اپنے بتوں کو وسیلہ ٹھہراتے ہیں۔ ایک عزیز نے فرمایا کہ جب تک تم میں سے کوئی دیوانہ نہ ہوگا۔ مسلمان کو نہ پہنچے گا۔ دیوانہ ہونا اس مقصود میں ہے کہ اسلام کے بقا کی خاطر اپنے نفع و ضرر سے درگزر کیا جائے۔ (مکتوب ۱۶۳ جلد اول)

ذبیحہ گاؤں

ہندوستان میں ذبیحہ گاؤں اسلام کا ایک بہت بڑا شعار ہے۔ بہت ممکن ہے کہ کفار ہند جنہیں دینے پر راضی ہو جائیں گے۔ مگر گائے ذبح کرانے پر ہرگز ہرگز راضی نہیں ہو سکتے۔ (مکتوب ۶۱ - جلد اول)

حقوق اللہ و حقوق العباد

اگر گناہ اس قسم کے ہیں کہ جن کا تعلق اللہ کے حقوق کے ساتھ ہے جیسے کہ زنا اور شراب پینا۔ اور سرور اور ملاہی کا مستنا اور غیر محرم کی طرف بہ نظر شہوت دیکھنا۔ اور بغیر وضو کے قرآن مجید کو ہاتھ لگانا اور بدعت پر اعتقاد رکھنا وغیرہ تو ان کی توبہ نہ امت و استغفار اور حسرت و افسوس اور

بارگاہِ الہی میں عذرخواہی کرنے سے ہے، اور اگر فرائض میں سے کوئی فرض ترک ہو گیا ہو تو توبہ میں اس کا ادا کرنا ضروری ہے، اور اگر گناہ اس قسم کے ہیں جو بندوں پر مظالم اور ان کے حقوق سے تعلق رکھتے ہیں تو ان سے توبہ کا طریق یہ ہے، کہ بندوں کے حقوق اور مظالم ادا کئے جائیں اور ان سے معافی مانگیں اور ان پر احسان کریں اور ان کے حق میں دعا کریں اور اگر مال و اسباب والا شخص مر گیا ہو تو اس کے لئے استغفار کریں، اور اس کا مال اس کے وارثوں اور اولاد کو دے دیں۔ اور اگر اس کا وارث معلوم نہ ہو تو مال و خدایت کے برابر صاحب مال اور اس شخص کی نیت کر کے جس کو ناحق ایذا دی ہو، فقرار و مساکین پر صدقہ خیرات کر دیں۔

حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ جو شخص صبح و شام توبہ نہ کرے وہ ظالم ہے۔ عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ حرام کے ایک پیسے کا پھیر دینا سو پیسوں کے صدقہ کرنے سے افضل ہے۔ بعض بزرگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ ایک رتی چاندی کا پھیر دینا اللہ تعالیٰ کے نزدیک چھ سو حج قبول سے افضل ہے۔

بعض علماء ربانی فرماتے ہیں کہ جب تک انسان ان دس چیزوں کو اپنے اوپر فرض نہ کرے کامل و ربح حاصل نہیں ہوتی :-

۱۔ زبان کو غیبت سے بچائے۔

۲۔ بدن سے بچائے۔

۳۔ مسخرہ پن یعنی ہنسی ٹھٹھے سے پرہیز کرے۔

۴۔ حرام سے آنکھ بند کرے۔

۵۔ صحیح بولے۔

۶۔ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا احسان جانے تاکہ اس کا نفس مغرور نہ ہو۔

۷۔ اپنا مال راہِ حق میں خرچ کرے۔ اور راہِ باطل میں خرچ کرنے سے بچے۔

۸۔ اپنے نفس کے لئے بلندی اور بڑائی طلب نہ کرے۔

۹۔ نماز کی محافظت کرے۔

۱۰۔ اہل سنت و جماعت پر استقامت اختیار کرے۔ (مکتوب ۶۶۔ جلد ثانی)

**ولایت کا نشان اتیانِ شریعت ہے**

وہ علامت جس سے اس گروہ کا سچا یا جھوٹا جدا ہو سکے، یہ ہے کہ جو

شخص شریعت پر استقامت رکھتا ہو۔ اور اس کی مجلس میں دل کو حق تعالیٰ کی طرف

رغبت و توجہ پیدا ہو جائے اور ماسوا کی طرف سے دل سرد ہو جائے۔ وہ شخص

سچا ہے، اور درجات کے اختلاف کے بموجب ادنیٰ کے شمار میں ہے۔ مگر

یہ بھی ان لوگوں کے لئے ہے جو اس گروہ کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں، اور

جن کو اس گروہ کے ساتھ مناسبت نہیں وہ محروم مطلق ہیں۔ (مکتوب ۹۲ جلد ثانی)

**حق تعالیٰ کی طرف پہنچانے کے دو راستے**

وہ راہ جو جنابِ قدس جل شانہ کی طرف لے جانے والے ہیں، دو ہیں۔

ایک وہ راستہ ہے جو قربِ نبوت سے تعلق رکھتا ہے اور اصل الاصل تک پہنچانے

والا ہے۔ اس راستے کے پہنچنے والے بالاصالت انبیاءِ علیہم الصلوٰۃ والسلام

اور ان کے اصحاب ہیں، اور امتوں میں سے بھی جس کسی کو چاہیں اس دولت

سے سرفراز کرتے ہیں۔



مگر یہ لوگ قلیل بلکہ اقل ہیں۔ اس راستہ میں واسطہ اور حیلولہ نہیں۔ ان  
 واصلوں میں سے جو کوئی فیض حاصل کرتا ہے۔ کسی کے واسطہ کے بغیر حاصل  
 کرتا ہے، اور کوئی ایک دوسرے کا حائل نہیں ہوتا۔

دوسرا وہ راستہ ہے جو قرب ولایت سے تعلق رکھتا ہے، تمام قطب اور  
 اوتار اور ابدال و نجیب اور عام اولیا اللہ سب اسی راستے سے واصل ہوئے  
 ہیں۔ راہ سلوک اسی راہ سے مراد ہے، بلکہ جذبہ متعارفہ بھی اسی میں داخل  
 ہے۔ اس راستہ میں واسطہ اور حیلولہ ثابت ہے۔ اس راہ کے واصلوں کے  
 پیشوا اور ان کے گروہ اور ان بزرگوں کے فیض کا سرچشمہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ  
 ہیں۔ اور یہ عظیم الشان مرتبہ انہی کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ اس مقام میں گویا  
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں مبارک قدم حضرت علی المرتضیٰ کے سر مبارک  
 پر ہیں اور حضرت فاطمہؑ اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی اس مقام میں ان  
 کے ساتھ شریک ہیں اور اس راہ سے جس کسی کو فیض و ہدایت پہنچتا ہے، انہی  
 کے وسیلہ سے پہنچتا ہے۔ کیونکہ اس راہ کا آخری نقطہ یہی ہے اور اس مقام  
 کا مرکز انہی سے تعلق رکھتا ہے۔ جب حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ کا دورہ  
 ہوا۔ یہ عظیم الشان مرتبہ ترتیب وار حضرات حسین رضی اللہ عنہما کے سپرد ہوا، اور  
 ان کے بعد بارہ اماموں میں سے ہر ایک کے ساتھ ترتیب و تفصیل وار قرار پایا،  
 ان بزرگوں کے زمانہ میں اور ایسے ہی ان کے انتقال فرما چکنے کے بعد جس کسی  
 کو فیض و ہدایت پہنچتا رہا انہی بزرگوں کے واسطہ اور حیلولہ سے ہی پہنچتا رہا۔ گو  
 اپنے زمانہ کے اقطاب و نجباء ہی ہوئے ہیں، لیکن سب کا ملجاء و ماویٰ ہی بزرگوار

ہوئے ہیں۔ کیونکہ اطراف کو مرکز کے ساتھ ملحق ہونے سے چارہ نہیں۔ حتیٰ کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کی نوبت آپہنچی، اور منصب مذکور اس بزرگ قدس سرہ کے سپرد ہوا۔ مذکورہ بالا اماموں اور حضرت شیخ قدس سرہ کے درمیان کوئی شخص اس مرکز پر مشہور نہیں ہوتا۔ اس راستہ میں تمام اقطاب و نجباء کو فیوض و برکات کا پہنچنا شیخ قدس سرہ ہی کے وسیلہ شریف سے مفہوم ہوتا ہے کیونکہ یہ مرکز شیخ قدس سرہ کے سوا کسی اور کو تیسر نہیں ہوا۔ (مکتوب ۱۲۳۔ جلد ثالث)

باطن کی صفائی بھی ضروری ہے

غرض ظاہر کو احکام شرعیہ سے آراستہ کر کے باطن کی طرف متوجہ ہونا چاہئے تاکہ غفلت کے ساتھ آلودہ نہ رہے۔ کیونکہ باطن کی اداؤں کے بغیر احکام شرعی سے آراستہ ہونا مشکل ہے۔ علماء فتویٰ دیتے ہیں۔ اور اہل اللہ باطن کا کام کرتے ہیں۔ باطن میں کوشش کرنا ظاہر کی کوشش کو مستلزم ہے۔ اور جو کوئی باطن ہی کی درستی میں لگا رہے اور ظاہر ہی کی پروا نہ کرے، وہ ٹھک رہے۔ اور اس کا وہ باطنی احوال استدراج ہیں۔ باطنی حالات کے درست ہونے کی علامت ظاہر کو احکام شرعیہ سے آراستہ کرنا ہے۔ استقامت کا طریق یہی ہے۔

(مکتوب ۸۷۔ جلد ثانی)

اتباع شریعت ہی کرامت ہے

جب خوارق کا ظاہر ہونا ولایت میں شرط نہیں۔ ولی اور غیر ولی میں امتیاز کس طرح ہوگا اور حق مبطل سے کس طرح جدا ہوگا۔ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ گو متمیز نہ ہو اور گو حق بجانب اور مبطل ملا جلا رہے۔ حق و باطل کا ملا جلا رہنا

اس دنیا میں لازم ہے۔ اور ولی کی ولایت کا علم کچھ ضروری نہیں۔ بہت سے اولیاء اللہ ایسے ہیں کہ ان کو خود اپنی ولایت کا علم نہیں پس دوسرے کو ان کی ولایت کا علم کس طرح ضروری ہو سکتا ہے۔ نبی میں خوارق کا ظہور ضروری ہے۔ تاکہ نبی اور غیر نبی میں امتیاز ہو جائے۔ کیونکہ نبی کی نبوت کا علم واجب ہے۔ اور ولی چونکہ لوگوں کو اپنے نبی کی شریعت کی دعوت دیتا ہے۔ نبی کا حجزہ اس کے لئے کافی ہے۔ اگر ولی اپنے نبی کی شریعت کے سوا کی دعوت دیتا۔ تو اس کے لئے خارق کا ہونا ضروری تھا۔ چونکہ اس کی دعوت اپنے نبی کی شریعت کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس لئے خارق کی کچھ ضرورت نہیں۔ علماء ظاہر شریعت کی دعوت دیتے ہیں اور اولیاء ظاہر شریعت اور باطن شریعت کی بھی۔ وہ پہلے مریدوں اور طالبانِ خدا کو توبہ و انابت کی طرف رہنمائی کرتے ہیں اور احکام شریعت کی بجا آوری کی ترغیب دیتے ہیں۔ پھر ذکرِ حق سبحانہ کی راہ دکھاتے ہیں اور تاکید کرتے ہیں کہ اپنے تمام اوقات کو ذکرِ حق سبحانہ سے ایسا معمور رکھتے کہ ذکرِ علیہ پائے اور مذکور کے سوا کسی چیز کو دل میں نہ رہنے دے۔ یہاں تک کہ مذکور کے سوا عام شے سے ایسی فراموشی حاصل ہو جائے۔ کہ اگر تکلف سے اشیاء کو یاد کرے تو یاد نہ آئیں۔ یقینی امر ہے کہ ولی کے لئے اس دعوت کے واسطے کہ جس کا تعلق ظاہر شریعت اور باطن شریعت سے ہے خوارق کی ضرورت نہیں۔ میری و مریدی سے مراد یہی دعوت ہے جو خارق سے سرور کار اور کرامت سے تعلق نہیں رکھتی۔ باوجود اس کے ہم کہتے ہیں کہ مرید رشید اور طالب مستعد

سلوک کے طریق میں ہر گھڑی اپنے پیر کے خوارق و کرامات کا احساس کرتا ہے۔ اور معاملہ غیبی میں ہر وقت اس سے مدد مانگتا اور پاتا ہے اور دوسروں کے لئے ظہورِ خوارق ضروری نہیں۔ مگر مریدوں کے لئے خوارق پر خوارق اور کرامات پر کرامات ہیں۔ مرید اپنے پیر کے خوارق کا احساس کس طرح نہ کرے کہ پیر نے مرید کے مردہ دل کو زندہ کیا ہے اور مشاہدہ و مکاشفہ تک پہنچا دیا ہے۔ عوام کے نزدیک ایک مردہ جسم کا زندہ کرنا بڑی بات ہے اور خواص کے نزدیک قلب در روح کا زندہ کرنا بڑی قاطع دلیل ہے۔ خواجہ محمد پارسا قدس سرہ رسالہ قدسیہ میں لکھتے ہیں کہ چونکہ مردہ جسم کا زندہ کرنا اکثر لوگوں کے نزدیک بڑا اچھا کام سمجھا جاتا تھا۔ اہل اللہ ایسے زندہ کرنے سے منہ پھیر کر روح کے زندہ کرنے میں مشغول ہو گئے ہیں اور طالب کے مردہ دل کو زندہ کرنے کی طرف متوجہ ہو گئے ہیں۔ حقیقت میں مردہ جسم کا زندہ کرنا قلب کے زندہ کرنے کے مقابلے میں اس چیز کی مثل ہے جو راستے میں پھینک دی گئی ہو۔ کیونکہ جسم کا زندہ کرنا چند روزہ ہی زندگی کا سبب ہے۔ اور قلب کا زندہ کرنا ہمیشہ کی زندگی کا وسیلہ ہے۔ بلکہ ہم کہتے ہیں کہ اہل اللہ کا وجود حقیقت میں کرامات میں سے ایک کرامت ہے اور لوگوں کو حق سبحانہ کی طرف ان کی دعوت حق تعالیٰ کی رحمتوں میں سے ایک رحمت ہے۔ اور مردہ دلوں کا زندہ کرنا بڑی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ اہل اللہ زمین والوں کے لئے امان اور زمانہ کے لئے غنیمت ہیں۔ ان کی شان میں

ہے کہ ان کے طفیل سے لوگوں کے لئے بارش ہوتی ہے۔ اور ان ہی کے طفیل سے لوگوں کو رزق ملتا ہے۔ ان کا کلام دوا ہے۔ اور ان کی نظر شفا ہے۔ وہ اللہ کے ہم نشین ہیں۔ اور وہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کا ہم نشین بدبخت نہیں رہتا۔ اور ان کا محب زیاں کار نہیں ہوتا۔ وہ علامت کہ جس سے اس گروہ کا محق مبطل سے ممتاز ہو جائے۔ یہ ہے کہ اگر ایسا شخص ہو جو شریعت پر ثابت قدم ہو اور اس کی صحبت میں دل کو حق سبحانہ کی طرف رغبت و توجہ پیدا ہوتی ہو اور اسوائے حق سے بے توجہی مفہوم ہوتی ہو۔ وہ شخص حق بجانب ہے، اور حسب تفاوت درجات اولیاء کے شمار میں ہے۔ یہ علامت امتیاز بھی مناسبت والوں کے لئے ہے۔ جو شخص محض بے مناسبت ہو، وہ بالکل محروم ہے۔ (مکتوب ۹۲۔ جلد ثانی)

ایک زبردست غلط فہمی کا ازالہ -

مشائخ قدس اللہ تعالیٰ امر ازہم میں سے جس بزرگ نے شطحیات زبان سے نکالی ہیں۔ اور ظاہر شریعت کے مخالف باتیں کہی ہیں وہ سب کفرِ طریقت کے مقام میں ہوا ہے۔ جو مستی و بے تمیزی کا مقام ہے۔ جو بزرگ کہ اسلام کی حقیقت کی دولت سے مشرف ہوئے ہیں وہ اس قسم کی باتوں سے پاک و بری ہیں۔ اور ظاہر و باطن میں پیغمبروں کا اقتدار کرتے ہیں۔ اور ان کے تابع ہیں۔ علیہم الصلوٰت والتسلیمات۔ پس جو شخص شطحیات بولتا ہے اور سب سے مقام صلح میں ہے۔ اور سب کو راہِ راست پر سمجھتا ہے۔ اور خالق و مخلوق میں تمیز ثابت نہیں کرتا اور دونوں کے وجود

کا قاتل نہیں۔ اگر ایسا شخص مقامِ جمع میں پہنچا ہوا ہے۔ اور کفرِ طریقت سے منصف ہو گیا ہے اور ماسوا کو بھول گیا ہے تو مقبول ہے۔ اور اگر اس کی باتیں مستی سے پیدا ہوئی ہیں اور ظاہر معنی سے مصروف ہیں۔ اور اگر اس حال کے حاصل ہونے کے بغیر اور درجہ اولیٰ پر پہنچنے کے بغیر ایسی شطیحات زبان پر لاتا ہے اور سب کو حق پر اور راہِ راست پر جانتا ہے اور حق و باطل میں تمیز نہیں کرتا تو وہ بے دین اور ملحدوں سے ہے۔ جس کا مقصود شریعت کا ابطال ہے۔ اور اس کا مطلوب دعوتِ انبیاء کا اٹھا دینا ہے۔ جو جہانوں کے لئے رحمت ہے۔ علیہم الصلوٰت والتحیات پس یہ کلمات محق سے بھی صادر ہوتے ہیں اور مبطل سے بھی۔ محق کے لئے آپ حیات ہیں اور مبطل کے لئے زہرِ قاتل۔ مثل آپ نیل کے جو بنی اسرائیل کے لئے خوش گوار اور قبیل کے لئے خونِ ناگوار تھا۔ یہ قدموں کے لغزش کی جگہ ہے۔ مسلمانوں کی جماعتِ کثیرہ اکابر اور بابِ سکر کی باتوں کی تقلید سے سیدھے راستے سے منحرف ہو کر گمراہی اور زیاں کاری کے کوچوں کے پیچھے گری ہوئی ہے اور اپنے دین کو برباد کرتی ہے۔ انہیں یہ معلوم نہیں کہ ایسی باتوں کا قبول کرنا شرطوں کے ساتھ مشروط ہے جو اربابِ سکر میں موجود اور ان میں مفقود ہے۔ ان شرطوں میں سے بڑی شرط ماسوائے حق سبحانہ کی فراموشی ہے۔ جو اس قبول کی دلیل ہے۔ اور محق و مبطل میں امتیاز کی علامت شریعت پر استقامت اور عدم استقامت ہے۔ جو محق ہے وہ باوجود مستی اور بے تمیزی کے بال برابر خلافتِ شریعت



کا مرتکب نہ ہوگا۔ منصور باوجود انا الحق کہنے کے ہر رات قید خانہ میں بھاری زنجیر کے ساتھ پانسو رکعت نماز ادا کرتا تھا، اور ظالموں کے ہاتھ سے جو کھانا اسے ملتا تھا۔ اگرچہ وجہِ حلال سے تھا مگر وہ نہ کھاتا تھا۔ اور جو شخص مبتلا ہے، احکامِ شریعہ کی بجا آوری اس پر کوہِ قاف کی طرح گراں ہے۔ آیہ کریمہ کَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ، (دشوار ہے مشرکوں پر وہ کہ جس کی طرف تو ان کو بلاتا ہے، ان کے حال پر صادق آتی ہے رَبَّنَا إِنَّا مِن لَّدُنكَ رَحِمَةٌ وَهِيَ لَنَا مِن أَمْرِنَا رَشْدًا وَالسَّلَامُ عَلَىٰ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدَىٰ (جدثانی مکتوب ۹۵)

پیر کی ایذا کیا ہے؟

جاننا چاہئے کہ پیر کے حقوق تمام حقوق والوں کے حقوق سے زیادہ ہیں۔ بلکہ پیر کے حقوق حق سبحانہ کے انعامات اور اس کے رسول علیہ وآلہ الصلوٰت والتسلیمات کے احسانات کے بعد دوسروں کے حقوق سے نسبت نہیں رکھتے۔ بلکہ سب کے پیر حقیقی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اگرچہ ظاہری ولادت والدین سے ہے مگر ولادتِ معنوی پیر کے ساتھ مخصوص ہے۔ ظاہری ولادت کی زندگی چند روزہ ہے۔ اور ولادتِ معنوی کی زندگی ابدی ہے۔ پیر ہے جو مرید کی نجاساتِ معنویہ کو اپنے قلب و روح سے صاف کرتا ہے، اور اس کے معدہ کو پاک کرتا ہے۔ ان توجہات میں جو بعض طالبوں کی نسبت وقوع میں آتی ہیں، محسوس ہوتا ہے کہ ان کی باطنی نجاستوں کے پاک کرنے میں

صاحب توجہ کو بھی کچھ آلودگی پہنچتی ہے۔ اور کچھ دیر تک مکدر رکھتی ہے  
 پیر ہے کہ جس کے وسیلہ سے خدائے عزوجل تک پہنچتے ہیں۔ جو دنیا  
 و آخرت کی تمام سعادتوں سے بڑھ کر ہے۔ پیر ہے کہ جس کے وسیلہ  
 سے نفسِ آمارہ جو بذاتِ خود غیث ہے پاک ہو جاتا ہے، اور  
 آمارگی سے اطمینان تک پہنچتا ہے۔ اور کفو ذاتی سے اسلامِ حقیقی میں  
 آجاتا ہے۔ مصرعہ

گر بگویم شرحِ این بے حد شود

پس اپنی سعادت کو پیر کے قبول کرنے میں جانتا چاہئے، اور  
 اپنی بدبختی کو پیر کے رد کرنے میں۔ العیاذ باللہ۔ حق سبحانہ کی رضا  
 کو پیر کی رضا کے پردے کے پیچھے رکھا ہے۔ جب تک مرید اپنے تئیں  
 اپنے پیر کی پسندیدہ چیزوں میں گم نہ کرے۔ حق سبحانہ کی مرفیات میں  
 نہیں پہنچتا۔ مرید کی آفت پیر کی ایذا میں ہے۔ اس کے سوا جو لغزش  
 ہو اس کا علاج ممکن ہے۔ لیکن ایذائے پیر کا علاج کسی چیز سے نہیں  
 کر سکتے۔ کیونکہ مرید کے لئے آزار پیر بدبختی کی جڑ ہے۔ العیاذ باللہ۔  
 اعتقاداتِ اسلامیہ میں خلل اور احکامِ شرعیہ کی بجا آوری میں کستی  
 آزار پیر کے نتائج و ثمرات میں سے ہے۔ احوال و مواجید کہ جن کا تعلق  
 باطن سے ہے، ان میں جس قدر خلل اور کستی واقع ہوتی ہے اُسے  
 کیا ذکر کروں۔ اگر باوجود آزار پیر کے احوال میں کچھ اثر باقی رہے  
 اسے استدراج سمجھنا چاہئے۔ کیونکہ انجام خراب ہوگا اور سوائے

ضرر کے اور نتیجہ نہ ہوگا۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی

(رسالہ مبداء و معاد)

### بیعت کا مقصد

نور محمد انبالوی کو تخریب فرماتے ہیں کہ آپ نے جو دریافت کیا ہے، کہ اگر کوئی طالب اپنے پیر کی زندگی میں دوسرے شیخ کے پاس جائے اور طلبِ خدا کرے۔ تو یہ جائز ہے یا نہیں۔ سو معلوم رہے کہ مقصود حق سبحانہ ہے اور پیر وصول الی اللہ کا وسیلہ ہے۔ اگر طالب اپنا ارشاد دوسرے شیخ کے پاس دیکھے اور اپنے دل کو اس کی صحبت میں خدا تعالیٰ کے ساتھ جمع پائے۔ تو جائز ہے کہ پیر کی زندگی میں بغیر اجازت کے اس کے پاس جائے اور اس سے طلبِ ارشاد کرے۔ لیکن اُسے چاہئے کہ پہلے پیر سے انکار نہ کرے اور اسے بجز نیکی یاد نہ کرے۔ خصوصاً آج کل کی پیری مُریدی جو صرف رسم و عادت رہ گئی ہے۔ اگر اس وقت کے پیر جو اپنے آپ سے بے خبر ہیں اور ایمان و کفر میں تمیز نہیں کر سکتے۔ وعدہ اجلِ شانہ کی کیا خریدیں گے۔ اور مرید کو کون سی راہ دکھلائیں گے۔

آگہ از خویشی چون نیست جنیں

کے خبر وارد از چہاں و چہاں

افسوس اس مُرید پر ہے جو اس طرح کے پیر پر اعتقاد کر کے بیٹھ رہے۔ اور دوسرے کی طرف رجوع نہ کرے۔ اور خدا اجلِ شانہ کا راستہ معلوم نہ کرے۔ یہ خطرات شیطانی ہیں۔ جو پیر ناقص کی حیات کے سبب سے

طالبِ حق سبحانہ سے روکتے ہیں۔ اُسے چاہئے کہ جس جگہ رُشد و جمعیتِ دل پائے۔ بغیر توقف کے رجوع کرے اور وساوسِ شیطانی سے پناہ ڈھونڈے۔

(مکتوب ۱۶۲۔ جلد ثانی)

## دنیوی کاروبار بھی ذکرِ الہی میں

جاننا چاہئے کہ ذکر سے مراد غفلت کا دور کرنا ہے۔ جس طرح کہ ہر کے نہ یہ کہ ذکر کلمہ نفی و اثبات کے تکرار یا اہم ذات کے تکرار میں منحصر ہے۔ جیسا کہ گمان کیا جاتا ہے کہ پس ادا امر شرعیہ کی بجائے اوری اور نواہی شرعیہ سے باز رہنا سب ذکر میں داخل ہے۔ خرید و فروخت حد و شرعیہ کی رعایت کے ساتھ ذکر ہے۔ اسی طرح نکاح و طلاق اسی رعایت کے ساتھ ذکر ہے۔ کیونکہ رعایتِ مذکورہ کے ساتھ ان کاموں کے کرنے کے امر کرنے والا اور منع کرنے والا (اللہ جل شانہ) ان کے کرنے والے کے مد نظر ہوتا ہے۔ پس غفلت کی گنجائش نہیں۔ لیکن وہ ذکر جو مذکور (یعنی حق سبحانہ) کے اسم و صفت کے ساتھ واقع ہو جلدی اثر کرنے والا اور مذکورہ کی محبت بخشنے والا اور مذکور تک جلدی پہنچانے والا ہے۔ بخلات اس ذکر کے جو ادا امر کی بجائے اوری اور نواہی سے باز رہنے کے ساتھ واقع ہو۔ وہ ان اوصاف سے چنداں بہرہ ور نہیں۔ اگرچہ بعضے افراد میں کہ جن کا ذکر ادا امر کی بجائے اوری اور نہی سے باز رہنے کے ساتھ ہوتا ہے۔ یہ اوصاف کمی کے طور پر پائے جاتے ہیں۔ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ فرماتے ہیں کہ حضرت مولانا نقشبند قدس سرہ علم کی راہ سے خدا تعالیٰ تک پہنچے ہیں۔ اور نیز وہ ذکر جو اسم

اور صفت کے ساتھ واقع ہو و سبب ہے اس ذکر کا جو حدودِ شرعیہ کی رعایت کے ساتھ حاصل ہو، کیونکہ سب کاموں میں احکامِ شرعیہ کی رعایت کرنی نا<sup>ص</sup> شرع کی محبت کے بغیر میر نہیں۔ اور یہ کامل محبت اللہ تعالیٰ کے اسم و صفت کے ذکر سے وابستہ ہے۔ لیکن پہلے وہ ذکر کرنا چاہئے تاکہ اس ذکر کی دولت سے مشرت ہو جائے۔ (مکتوب ۶۶ جلد ثانی)

## خلافِ شرع کشف

جاننا چاہئے کہ صوفیوں کے اعتقادات آخر کار یعنی منازیلِ سلوک کے پورا ہونے اور ولایت کے درجوں کی نہایت کو پہنچنے کے بعد وہی ہیں جو علمائے اہل حق کے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ علماء کو نقل یا استدلال سے حاصل ہوئے ہیں، اور صوفیوں کو کشف یا الہام سے۔ اگرچہ صوفیہ میں سے بعض کو اثنائے راہ میں سکر و غلبہ حال کے سبب سے ان اعتقادات کے خلاف امور ظاہر ہوتے ہیں۔ لیکن اگر اس کو ان مقامات سے گزار کر نہایت کار کو پہنچادیں تو وہ امور نیست و نابود ہو جاتے ہیں۔ ورنہ وہ اسی مخالفت پر باقی رہتے ہیں پس سالک کو چاہئے کہ حقیقت کار پر پہنچنے سے پہلے باوجود اپنے کشف و الہام کی مخالفت کے علمائے اہل حق کی تقلید کو لازم جانے اور علماء کو حق بجانب اور اپنے تئیں خطا کرنے والا خیال کرے۔ کیونکہ علماء کی دلیل انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تقلید ہے جو قطعی وحی کے ساتھ مؤید اور خطا اور غلط سے معصوم ہیں۔ اور سالک کا کشف و الہام جو وحی کے ساتھ ثابت شدہ احکام کا مخالفت ہو، خطا اور غلط ہے۔ پس اپنے کشف کو علماء کے قول پر مقدم رکھنا حقیقت

میں احکام قطعیہ مندرجہ پر مقدم رکھنا ہے اور یہ عین گمراہی اور محض خسارہ ہے، اور نیز جس طرح کتاب و سنت کے بموجب اعتقاد ضروری ہے، اسی طرح ان کے مقتضار پر عمل کرنا اس طریق پر کہ مجتہدین نے کتاب و سنت سے استنباط کیا ہے اور ان سے احکام نکالے ہیں یعنی حلال و حرام و فرض و واجب و سنت و مستحب و مکروہ و مشتبہ اور ان احکام کا جاننا بھی ضروری ہے۔ مقلد کے لئے جائز نہیں۔ کہ مجتہد کی رائے کے خلاف کتاب و سنت سے احکام اخذ کرے اور ان پر عمل کرے۔ اسے چاہئے، کہ عمل میں اس مجتہد کے مذہب سے کہ جس کا یہ مقلد ہے۔ قول مختار کو اختیار کرے اور رخصت سے بچ کر عزیمت پر عمل کرے۔ (مبدأ معاد)

### پیر کا ادب

اور اگر خدا جل شانہ کی عنایت سے کسی طالب کو اس طرح کے پیر کامل کی طرف رہنمائی کر دیں تو چاہئے کہ اس کے وجود شریف کو غنیمت سمجھے اور اپنے تئیں بالکلیہ اس کے حوالے کر دے اور اپنی سعادت کو اس کی مرضیات میں جانے اور اپنی بدبختی کو اس کی مرضیات کے خلاف سمجھے۔ حاصل کلام یہ کہ اپنی نفسانی خواہش کو اس کی رضا کے تابع کر دے۔ حدیث نبوی علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات میں ہے کہ تم میں سے کوئی ایمان نہیں لانا۔ یہاں تک کہ اس کی نفسانی خواہش میرے دین و شریعت کے تابع ہو، اور جان لے کہ آداب صحبت کی رعایت اس راہ کی ضروریات سے ہے تاکہ فائدہ اٹھانے اور فائدہ پہنچانے کا راستہ کھل جائے، اور بغیر ان کی



محبت کے کوئی نتیجہ نہیں، اور نہ مجلس کا کوئی ثمرہ ہے۔ آداب و شرائط سے بعضے بیان کئے جاتے ہیں۔ گوش و ہوش سے سُننے چاہئیں۔

جان لے کہ طالب کو چاہئے کہ اپنے دل کی توجہ تمام طرفوں سے پھیر کر اپنے پیر کی طرف کر لے اور باوجود پیر کے اس کی اجازت کے بغیر نوافل و اذکار میں مشغول نہ ہووے، اور اس کے حضور میں سوائے نماز فرض و سنت کے نہ پڑھے۔ اور جہاں تک ہو سکے مرید ایسی جگہ نہ کھڑا ہو کہ اس کا سایہ پیر کے کپڑے یا پیر کے سایہ پر پڑے اور پیر کے مصیبتی پر پاؤں نہ رکھے۔ اور اس کے وضو کی جگہ میں وضو نہ کرے اور اس کے برتنوں کو استعمال نہ کرے اور اس کے سامنے پانی نہ پئے اور کھانا نہ کھائے۔ اور کسی کے ساتھ بات نہ کرے۔ بلکہ کسی اور کی طرف توجہ نہ کرے اور پیر کی غیر حاضری میں جس طرف کہ وہ ہو اس طرف پاؤں دراز نہ کرے اور لعابِ دہن اس جگہ نہ پھینکے اور جو کچھ پیر سے صادر ہو اسے درست سمجھے۔ خواہ ظاہر میں درست معلوم نہ دے۔ پیر جو کچھ کہتا ہے الہام سے کہتا ہے اور باذنِ الہی کرتا ہے۔ اس صورت میں اعتراض کی گنجائش نہیں۔ اگر بعض صورتوں میں اس کے الہام میں خطا واقع ہو جائے تو یہ الہامی خطا مثل خطا اجتہادی کے ہے اس پر ملامت و اعتراض کرنا جائز نہیں، اور نیز چونکہ مرید کو پیر سے محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ محبت کی نظر میں محبوب سے جو کچھ صادر ہوتا ہے۔ محبوب معلوم ہوتا ہے۔ پس اعتراض کی گنجائش نہیں اور کلی و جزئی امور کھانے پینے اور سونے اور طاعت کرنے میں پیر کی پیروی کرے۔ پیر کی طرز پر نماز کو ادا کرنا

چاہئے۔ اور فقہ کو اس کے عمل سے سیکھنا چاہئے۔

پیر کی حرکات و سکنات میں کسی اعتراض کو دخل نہ دے۔ خواہ وہ اعتراض رائی کے دانے کی مقدار ہو۔ کیونکہ اعتراض کا نتیجہ سوائے محرومی کے نہیں ہے۔ اور تمام مخلوقات میں سب سے بد بخت اس طائفہ عالیہ کا عیب بین ہے۔ حق سبحانہ ہم کو اس بڑی بلا سے نجات دے اور اپنے پیر سے خوارق و کرامات طلب نہ کرے۔ اگرچہ وہ طلب بطریق خطرہ و دوسوسہ دل میں آئے۔ کیا تو نے کبھی سنا ہے کہ مومن نے کسی پیغمبر سے معجزہ طلب کیا ہو۔ کفار و منکر ہی معجزہ کے طالب ہوا کرتے ہیں۔

اگر دل میں شبہ پیدا ہو تو بغیر توقف کے عرض کرے۔ اگر حل نہ ہو تو اپنا تصور سمجھے اور کوئی نقصان پیر کی طرف عائد نہ کرے، اور جو واقعہ پیش آئے پیر سے پوشیدہ نہ رکھے۔ اور واقعات کی تعبیر اسی سے طلب کرے۔ اور جو تعبیر کہ طالب پر ظاہر ہو اسے بھی عرض کر دے۔ اور صواب و خطا کو اس سے دریافت کرے اور اپنے مکاشفات پر ہرگز اعتماد نہ کرے۔ کیونکہ اس دنیا میں حق و باطل اور صواب و خطا ملے جلے ہیں اور بغیر ضرورت اور اذن کے پیر سے جدا نہ ہووے۔ کیونکہ غیر کو اس پر اختیار کرنا ارادت کے خلاف ہے۔ اور اپنی آواز کو اس کی آواز پر بلند نہ کرے اور بلند آواز سے اس سے بات نہ کرے کیونکہ یہ بے ادبی ہے اور جو فیوض و فتوحات حاصل ہوں ان کو پیر کی وساطت سے تصور کرے، اور اگر واقعہ میں دیکھے کہ کوئی فیض دوسرے مشائخ سے پہنچا ہے تو اس کو بھی پیر ہی سے سمجھے اور جان لے

کہ چونکہ پیر کمالات و فیوض کا جامع ہے۔ وہ خاص فیض پیر سے مرید کی خاص استعداد کے مناسب مشائخ میں سے ایک شیخ کے کمال کے موافق کہ جس سے ظاہر افاضتہ ظہور میں آیا ہے۔ مرید کو پہنچا ہے۔ اور پیر کے لطائف میں سے ایک لطیفہ جو اس فیض سے مناسبت رکھتا ہے۔ اس شیخ کی صورت میں ظاہر ہوا ہے۔ لیکن مرید نے بسبب ابتلاز کے۔ اس لطیفہ کو دوسرا شیخ خیال کیا ہے اور فیض کو اس کی طرف سے سمجھا ہے۔ یہ بڑی غلطی کھانے کی جگہ ہے۔ حتیٰ سبحانہ قدم کی لغزش سے بچائے۔ اور پیر کے اعتقاد و محبت پر قائم رکھے۔ بحرِ مت سید البشر علیہ وآلہ وسلم۔ حاصل کلام! بطریق کلام ادب مثل مشہور ہے۔ کوئی بے ادب خدا تک نہیں پہنچتا۔ اور اگر مرید آداب میں سے بعض کی رعایت میں اپنے تئیں کوتاہ جانے اور اسے کما حقہ ادا نہ کرے۔ اگر کوشش سے بھی اسے پورا نہ کر سکے۔ تو معاف ہے لیکن کوتاہی کا اقرار ضروری ہے۔ اگر پناہ بخدا آداب کی رعایت نہ کرے اور اپنے تئیں کوتاہ بھی نہ جانے تو ان بزرگوں کی برکتوں سے محروم ہے۔

(مکتوب ۲۹۲۔ جلد اول)

## ردِ فلاسفہ

ایک روز ابو الفضل نے فلاسفہ اور فلسفہ کی ایسی تعریف کرنی شروع کی جس سے علماء اسلام کی توہین پائی جاتی تھی۔ حضرت امام ربانی نے جوشِ اسلام میں آکر فرمایا کہ:

”امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ جن علوم کے فلاسفہ

اپنے تئیں واضح بتلاتے ہیں۔ وہ دراصل علوم انبیاء سے مسروقہ ہیں اور جو علوم انہوں نے مثل ریاضی وغیرہ ایجاد کئے ہیں وہ دین میں مفید نہیں۔“ اس بات سے ابوالفضل سخت متحیر ہوا اور کہنے لگا کہ غزالیؒ نے نامعقول کہا ہے۔ حضرت اس بات سے بہت خفا ہوئے اور فرمایا، کہ اگر اہل علم کا شوق ہے تو یہ باتیں منہ سے مت نکالا کر۔ اور اسی وقت وہاں سے مراجعت فرمائی پھر چند روز تشریف نہ لے گئے۔ جب دو تین دن کے بعد اس نے کمال معذرت کی تب پھر جانا شروع کیا۔

### فاسق بادشاہ کی گواہی

ایک دفعہ عید الفطر کے روز حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ ابوالفضل کے مکان پر تشریف لے گئے۔ اس سال عید کا چاند انیس کا ہوا تھا، لیکن باعث کدورتِ آسمان سوائے بادشاہ کے اور کسی نے نہیں دیکھا تھا۔ مگر سلطان کی رویت پر سب نے عید کر لی تھی۔ مگر حضرت نے عید نہیں کی تھی۔ ابوالفضل نے آپ کو دیکھ کر کہا کہ چہرہ مبارک پر روزے کے نشان پائے جاتے ہیں۔ کیا روزہ ہے؟ حضرت نے جواب دیا کہ ہاں، میرا تو روزہ ہے۔ ابوالفضل نے کہا کہ تمام جہان میں عید اور آپ کا روزہ! اس کا کیا سبب؟ حضرت نے فرمایا کہ تعجب ہے سوائے بادشاہ کے اور کسی کو چاند دکھائی نہ دے۔ اس معاملہ میں دو تین آدمیوں کی گواہی کا بھی اعتبار نہیں۔ جب تک جم غفیرا کفر شہادت نہ دے۔ اور دوسرے یہ کہ گواہی سلطان تو بالکل ناقابل اعتبار ہے کہ دین سے منحرف ہے۔ ابوالفضل نے کہا یہ باتیں جانے دیجئے اور روزہ افطار کیجئے۔ یہ کہہ کر پانی منگوا یا۔ اور چونکہ دعویٰ اخلاص تھا۔ خود

کٹورہ لے کر حضرت کے دہن مبارک سے لگا دیا۔ حضرت نے کٹورہ پر ایسا ہاتھ مارا کہ تمام پانی گر پڑا۔ یہ بات اس کو ناگوار گزری۔ مگر کچھ ظاہر نہ کیا، کہ اتنے میں ایک گروہ نے آکر چاند دیکھنے کی شہادت دی۔ یہ سن کر آپ اٹھ کھڑے ہوئے اور خود پانی لے کر روزہ افطار کیا۔

## کمال تقویٰ

ایک مرتبہ حضرت امام ربانی رضی اللہ عنہ بادشاہ کے ہمراہ تھے اور شکرِ سلطانی گنگا پر خمیہ زن ہوا۔ حضرت نے جمیع تابعین سے منع کر دیا۔ کہ اس دریا کا کوئی پانی نہ پیئے کہ ہندوؤں کا معبود ہے۔ وہاں سے دو ایک کنواں تھا۔ وہاں سے پانی منگایا۔ اور ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ حضرت امام ربانی کسی جگہ تشریف لے گئے۔ وہاں کنواں پانی عمدہ کا نہ تھا۔ کسی مخلص نے دریائے جمنکا پانی کہ وہاں سے تین چار کوس پر تھا، آپ کے استعمال کے واسطے منگایا۔ جب آپ کو معلوم ہوا فرمایا کہ جمنکا پانی پینے میں اس کی تعظیم پائی جاتی ہے۔ اس سے فقط استنجا کریں۔

## ادبِ قرآن

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ ایک حافظ فرش پر بیٹھا ہوا قرآن مجید پڑھتا تھا۔ حضرت نے خیال کیا تو اپنے نیچے فرش زیادہ پایا۔ جیسا کہ صدر نشین کے نیچے ہوتا ہے۔ فی الفور زیادہ فرش اپنے نیچے سے نکال دیا، اور اس حافظ کے ہم فرش ہو گئے۔ خواجہ محمد ہاشم کشمی نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت مجدد الف ثانی رُفیع حاجت کے لئے تشریف لے گئے۔ جب وہاں بیٹھے تو دیکھا کہ ناخن پر سیاہی کا نقطہ لگا ہے۔ دل میں خیال گزرا کہ یہ نقطہ اسباب کتابت حروفِ قرآنی سے ہے۔ مع اس کے اس جگہ

بیٹھا خلافتِ ادب ہے۔ یہ سوچ کر فی الفور باہر نکل آئے اور ہاتھ دھو کر  
پھر استنجا کو تشریف لے گئے۔

## رعایتِ مستحب

ایک روز حضرت امام ربانیؒ نے خادم سے فرمایا کہ فلاں جگہ لونگ رکھی ہیں  
ان میں سے تھوڑی سی لے آؤ۔ خادم نے چھ دانے لاکر سامنے رکھے۔ آپ نے فرمایا  
کہ ہمارے صوفی کو ابھی تک یہ بھی معلوم نہیں کہ اللہ وشر وحبیب الوشرط پھر فرمایا  
کہ رعایتِ وتر مستحبات سے ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ عمل کے عوض تمام  
دنیا و آخرت بھی دے دیں تو بھی سمجھ کہ کچھ نہیں دیا



## مجدد کسے کہتے ہیں

مجدد اپنے رسول کا نمونہ ہوتا ہے اور عملی طور پر نمونہ بن کر اسی سیرطرحی پر چڑھ کر جہان کو دکھاتا ہے۔ جس پر اس کا رسول چڑھا تھا۔ اور اس کی کمال تا بعد اری کر کے متصف باوصاف کمال ہو کر مخلوقات کے واسطے ہدایت کا نمونہ قائم کرتا ہے۔ تفسیر رونی میں زیر آیت کریمہ وَاقْتَدُوا تَبِيتًا مَوْسَىٰ الْكِتَابِ وَقَفَيْنَا مِنْ بَعْدِهِ بِالرُّسُلِ تخریر کیا ہے۔ ترجمہ تحقیق عطا کی ہم نے موسیٰ کو کتاب (تورات) اور پیچھے لائے ہم موسیٰ علیہ السلام کے کئی پیغمبر۔ بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ عیسیٰ علیہ السلام تک چار ہزار پیغمبر کم و بیش پیدا ہوئے کہ عمل ان کا تورات پر تھا۔ نسل یوشع، شمعون، ایوب، داؤد، سلیمان ایسا ذکر آیا اور یحییٰ علیہم السلام کے اور یہ سب شریعت موسیٰ پر تھے۔ مفسر و ان کے بیچنے سے جاری کرنا اس شریعت کا تھا جو تخریفات علماء موسیٰ سے متغیر و متبدل ہو گئی تھی۔ پس یہ رسول نبی اسرائیل میں مانند علماء ربانیین اور مجددان دین متین اس امت کے ہیں۔ عَلَمًا مِّنْ أُمَّتِي كَانِيًا بِنِي إِسْرَائِيلَ۔ ہمارے حضور علیہ السلام کا فرمودہ برہتی ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ يَنْعَشُ

لِهَذِهِ الْأُمَّةِ عَلَى رَأْسِ كُلِّ مِائَةٍ مِنْ تَحِيَّاتِهَا دَلَّهَا رَبُّهَا بِعَيْنِ خَدَّائِهِ تَعَالَى اس  
 امت میں ہر صدی کے سر پر ایک ایسا شخص بھجوا رہے گا جو دین کی تجدید کرے۔ پس  
 جاننا چاہیے کہ ایک مجدد ہر صدی کے سر پر پیدا ہوتا ہے۔ اور ایک بعد ہزار برس کے  
 جیسا کہ سو پر ہزار کو با اعتبار اعداد کے تفریق ہے۔ ویسا ہی مراتب قرب الہی میں اور  
 درجات ایصال فیوضات نامتناہی میں بلندی اور فوقیت ہے۔ مجدد الف کو مجدد مانہ  
 پر اور یہی طور زمانہ ارسال انبیاء سے چلا آتا تھا کہ بعد ہزار برس کے پیغمبر اولوالعزم  
 پیدا ہوتا تھا۔ جو صاحب احکام جدیدہ اور صاحب کتاب پسندیدہ ہو اور درمیان  
 میں انبیاء متبع اس کی شریعت کے ہوتے تھے۔ جو اس کے دین کو ترویج دیا کرتے  
 تھے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو خاتم النبیین تھے۔ تو اب نبوت  
 ختم ہو گئی۔ اور نزول وحی کا اس امت پر سدود ہوا تو اب حکمت الہی نے چاہا کہ تجدید  
 دین برساتت علماء ربانیین ہوتی رہے۔ علماء اس امت کے ظاہر کلیہ شریعت نبویہ کے  
 اور باطن طریقہ مصطفویہ کے فرمائے اور بعد ہزار کے قائم مقام پیغمبر اولوالعزم کے مجدد  
 الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو ظہور میں لایا اور جمیع درجات ولایات اور کمالات سے بہرہ ور  
 کر کے باجائے دین متین اور بایصال احسان و یقین مشرف فرمایا۔ ذَلِكْ فَضْلُ  
 الْمَلِئِكَةِ مِنْ يَسَّارٍ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ط  
 رسول اولوالعزم مخلوقات کو شعشان انوار ہدایت سے ایک ایسی روشنی دکھاتا  
 ہے جس طرح مخلوقات کو آفتاب کے چڑھنے سے سب کچھ نظر آتا ہے۔ آنکھیں تو سب  
 کی ہیں مگر اندھیری رات میں کوئی کچھ دیکھ نہیں سکتا۔ اسی طرح فطرت کی آنکھیں ہر ایک  
 رکھتا ہے۔ جس کو شعور یا عقل بہودی کا کہا جائے تو مناسب ہے جس کے حق میں بدی تعالیٰ

فرماتا ہے فَالْتَمِسْ مَا خَوَّرَهَا وَتَقْوَاهَا۔ اور اسی فطرتی شعور کی آنکھوں کی نعمت کا  
 بابا بجا احسان قرآن پاک میں جنلا یا کیا اور اس نعمت کے وضع فی غیر محلہ کے جرم  
 کی سرزنش قیامت کے دن ہوگی۔ جیسا کہ باری تعالیٰ فرماتا ہے وَقَدْ أَضَلَّ مِنْكُمْ  
 جِبِلًّا كَثِيرًا أَفَلَمْ تَكُونُوا تَفْقَهُونَ ط۔ یعنی شیطان نے تم سے  
 بڑے گروہوں کو دھوکہ دے کر گمراہ کر لیا۔ پس تم میں سے کوئی بھی عقل والا نہ تھا یعنی  
 عقل و شعور فطرتی جس سے تم بھلائی برائی کی تمیز کر سکتے تھے۔ ہم نے تم میں رکھ دیا تھا  
 پھر تم نے اس شعور فطرتی کو جو تم دنیا کے کاموں میں تو خوب استعمال کرتے رہے دین کے  
 کام میں استعمال نہ کیا اور شیطان کے دھوکے میں باوجود عقل کے آگے۔ جس طرح کسی  
 سلطان کی طرف سے فوج کو سب ہتھیار ملے ہوئے ہوں اور غلیم ان پر آدے تو فوج کے  
 لوگ کوئی ہتھیار بھی غلیم پر نہ چلا دیں بلکہ اس سے متفق ہو جائیں۔ تو وہ بادشاہ کے مجرم  
 ٹھہریں گے۔ اب بادشاہ ان سے پوچھے گا کہ کیا تم کو ہتھیار نہ دیے گئے تھے کہ تم غلیم پر چلاؤ  
 پس ظاہر ہے کہ دیے تو گئے تھے مگر انہوں نے چلائے نہیں تو اسی طرح انسان کو جو عقل فطرتی  
 دیا گیا ہے اس کے موقع پر استعمال نہ کرنے سے اس روز عتاب الہی وارد ہوگا کہ  
 هَذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ط۔ یہ دوزخ وہ ہے جو تم کو اس عقل فطرتی کے وضع  
 فی غیر کے بارے میں بطور وعید سنایا گیا تھا۔ وہ فطرتی شعور جو باری تعالیٰ نے اپنے کمال  
 احسان سے ہر ایک انسان میں رکھا ہے وہ گویا دل کی آنکھیں سمجھو۔ اب جس طرح ظاہری  
 آنکھیں سوائے آفتاب پڑھنے کے کچھ دیکھ نہیں سکتیں اسی طرح دل کی آنکھیں بھی سوائے  
 شمعان انوارِ وحی کے دیکھنے سے عاجز ہوتی ہیں۔ اس واسطے وہ عقل ناکافی ہوتا ہے۔  
 اب پیغمبر کے وجود مسعود سے مانند سورج کے انوارِ وحی چمک کر لوگوں کو حق ایقین کا راستہ

دکھایا جاتا ہے۔ سو پروردگار فرماتا ہے اَسَلِمْتُمْ نَكَوْفًا تَقْتُلُوْنَ ط پیلے تو تم کو دل کی آنکھیں دی گئی تھیں۔ تاکہ تم عدم شعور کو عذر نہ کرو پھر تم پر پیغمبر اور الو العزم کا آفتاب چڑھا اور اس سے وحی کے انوار کے چمکاروں نے راہ ہدایت کو ایسا واضح دکھلا دیا کہ تم پر انام حجت ہو گئی۔ اور کچھ حفا بھی نہ رہ گیا۔ پھر باد بورد آنکھوں کے اور سورج چڑھنے کے جو شخص جان بوجھ کر سیدھی سڑک سے منہ پھیر کر ایک کنوئیں میں جا پڑے تو وہ کسی کے آگے کچھ عذر نہیں کر سکتا کہ میں فلاں عذر سے کنوئیں میں جا پڑے تو وہ کسی کے آگے کچھ عذر نہیں کر سکتا کہ میں فلاں عذر سے کنوئیں میں جا پڑا بلکہ اس کی اپنی بد قسمتی اور بیوقوفی سب پر ظاہر ہوگی هٰذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ط اب یہ وہ جہنم ہے جو تم کو پیغمبر کے سورج چڑھنے کے وقت اپنی دل کی آنکھوں سے شراخ کی سڑک سے اترنے پر نظر آنا تھا کہ ضرور اس میں جا پڑیں گے۔ اب تم جان بوجھ کر اس میں جا پڑے کوئی عذر تمہارا باقی نہیں۔ اول تم عقل کی آنکھیں رکھتے تھے۔ پھر سورج بھی چڑھا ہوا تھا پھر شراخ بادشاہی سڑک جو سیدھی منزل مقصود جنت کو جا رہی تھی۔ تم کو نظر آ رہی تھی اور پکار پکار کر تم کو کہا گیا کہ وَاِنَّ هٰذَا صَوَابٌ مُّسْتَقِيْمًا فَاَتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهِ ط ہمارے پکارنے والے پیغمبر اور علماء ربانیین اور مجددین دین متین اور واعظانِ حقانی تم کو کس زور سے پکار پکار کر کہنے رہے گویا اس سڑک شاہی پر ہمارے پوب دار ہمیشہ کے لیے کھڑے رہے کوئی زمانہ خالی نہ تھا جس میں وہ نہ کھڑے ہوں۔ اگلے چلتے رہے تو اور متواتر آنے رہے جو اس راہ پر پکارتے رہے کہ یہ صراطِ مستقیم اور راہ ہدایت سیدھا جنت کو جاتا ہے۔ خبردار اس سے بیک نہ جانا۔ اس سے انز کر کسی اور طرف رخ کیا تو وزخ

تے کڑھے میں جا پڑو گے۔

پیغمبر اولوالعزم سے جب آفتاب کی مانند شفق انوار وحی ربانی چمکتے ہیں۔ اس وقت لوگوں کو حق ا یقین کا راستہ بالکل واضح طور پر نظر آ جاتا ہے۔ اس وقت جو منکر رہتے ہیں وہ صرف ہٹ اور شقاوتِ انہی کے سبب ہدایت سے محروم ہوتے ہیں ورنہ ہدایت کی وضاحت میں کچھ شبہ نہیں رہتا۔ اولوالعزم رسول ایسی روشنی دکھاتا ہے کہ تمام اندھیرے جو ہو جاتے ہیں۔ تمام شکوکِ شبہات یک قلم رفع اور تمام انکار یک دفعہ دور ہو جاتے ہیں۔ لیکن بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پھر وہ زمانہ دھندلا سا آ جاتا ہے۔ جس طرح سورج کے چھپنے کے بعد پھر اندھیرا پڑ جاتا ہے۔ پھر خداوند رحمن و رحیم کی عنایت مخلوقات کی دست گیری فرماتی ہے اور پروردگار دوسرا مجدد یا رہنما اس کا ہم رنگ پیدا کرتا ہے اور اسی طرح یہ ہدایت کا ایصال قائم چلا آتا ہے۔ ہر ایک صدی پر ایک ہادی کا ظہور چلا آیا اور چلا جائے گا۔ مگر جب ہزار سال گزر جاتے ہیں تو پلا ضلالت اس قدر غالب ہو جاتا ہے کہ جانبِ بشریت و ہدایت کو ہمراہ اپنے ہم رنگ کر لیتا ہے اور مناسب بشری جو خلق سے تھی وہ بالکل جاتی رہتی ہے۔ لاجرم امت میں بجا آوری احکامِ شرع میں فرقِ عظیم پڑ جاتا ہے۔ پس اسکی تجدید کے واسطے ایک پیغمبر اولوالعزم مبعوث ہوتا ہے کہ تقویتِ دین و شرع کی کرے لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارتحال کو ہزار سال گزرے اور مطابق قاعدہ کے دین میں کستی و شلوغ بدعت و ظلمت ہو گئی۔ اب چونکہ آپ خاتم النبیین ہیں آپ کے بعد نبی یا اولوالعزم پیغمبر کا پیدا ہونا ممنوع تھا۔ لہذا ضروری ہوا کہ حسب عادت ربانی اور مقتضائے سنتِ رحمانی کوئی شخص ایسا پیدا ہونا جو نطفی طور پر رسول کے

کمالات کا نمونہ مخلوقات میں دکھانا اور جو قائم مقام اولوالعزم ہو کر تجدید دین منین کی کرتا، لہذا اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے وہ کمالات حضرت امام ربانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کو عطا فرما کر مجدد الف ثانی کیا۔

مجدد ہزار سال بعد رسول کے پیدا ہوتا ہے۔ وہ مانند اولوالعزم رسول کے اولوالعزم مجدد ہوتا ہے۔ حضور مجدد الف ثانی قدس اللہ سرہ کا اولوالعزم مجدد ہونا سلام ہے اور حضرت کی طبیعت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت سے بطور ظلی کمال مناسبت سے نسبت تامہ رکھتی تھی۔ پیروی اور اتحاد کا درجہ ایک سرعظیم ہے۔ نظاہر مخزون پیدا ہونا اور تمام علوم میں بلا مدد استاد انشراح صدر ہو جانا اقتباس از مشکوٰۃ نبوت سے ہے۔ پھر بعد ترویج کے غنی ہونا اور چالیس برس وسادہ ارشاد پر متکون ہونا۔ اور مانند رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تکلیفیں برداشت کرنا۔ کہ حضرت علیہ السلام نے اہل مکہ سے تکلیفیں اٹھائیں حضور مجدد صاحب نے روافض کے ہاتھ سے تکلیفیں اٹھائیں۔ قلعه گوالیار میں قید ہوئے۔ پیران تکالیف میں مستقل و با تحمل رہنا یہ بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طبیعت سے مناسبت تھی۔ اگر اس وقت جناب مجدد صاحب سجدہ تہنیا سر جھکانا کو ادا کرتے تو قیامت تک فاسقین اور شریر لوگوں کے لیے ایک سند ہو جاتی اور منہم پر غول بلکہ ہر ایک شیطنت مزاج آدمی کو ایک ذبیحہ ہاتھ لگ جاتا کہ دیکھو بوقت خوف حضرت مجدد جیسے بزرگ نے سر جھکایا خصوصاً اہل طغیان گروہ روانہن کا تشبیہ جس کو وہ لوگ بزم فاسد خود فرض جانتے ہیں۔ ثابت ہو جاتا مگر حضرت نے کمال تبعیت اپنے اصول کے ہرگز کو اسانہ فرمایا اور باری علماؤں نے فتویٰ بہ نقض



لکھ دیا۔ خدا نے بچانا تھا بچا لیا۔ مگر حضرت نے جان قربان کر دینے میں کچھ کسر باقی نہ چھوڑی۔ جان جانے کی پرواہ نہ کی مگر سنت حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی قائم رکھی اور شرک و تقیہ خلیفہ کی بیخ کنی کر دی۔

پھر حضرت کا ارشاد بھی مانند شیوع رسالت مقدسہ اقطار عالم میں بامدک زمانہ جاری و ساری ہو گیا اور حضرت کے خلفاء مانند خلفاء رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کامل و اکمل تیار ہوئے۔ حضرت کی تاثیر مثل انوار نبوت کے کفر کے حصاروں کو پاش پاش کر کے سینوں میں انوار اسلام داخل کر دیتی تھی۔ حضرت کی بیماری کا طرز بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کی طرح تھا۔ پھر سب سے بڑھ کر مناسبت عمر کا ٹھیک برابر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہونا اور شنبہ کے روز فوت ہونا ہے۔ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر بھی تریسٹھ برس کی ہوئی۔ بعد ایام بعثت جیسا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۲۳ سال ہدایت خلق میں گزارے۔ حضرت مجدد الف ثانیؑ نے بھی وہی ۲۳ سال تبلیغ احکام ربانی میں صرف کیے اور کمال متابعت اپنے رسول میں جبکہ شیوع دین اسلام بجزوے الیوم اکلت لکم دینکم و اقمتم علیکم نعیتی عمدہ طور پر ہو چکا اور کفر و زندقہ و ضلالت و شیطنت و افس کی خاطر خواہ بیخ کنی ہو گئی۔ تب حضور کا وصال ہوا۔

## اہم واقعات

حضرت امام ربانیؑ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ ہمارے لیے مشعل راہ ہے اور حقیقت یہ ہے کہ آپ کے احسانات اور فیوض و برکات کا شمارا حاطہ تخریب سے باہر ہے۔ چند اہم

واقعات شائقین کی معلومات کے لیے تحریر کئے جاتے ہیں۔ جو حضرت امام ربانی  
رضی اللہ عنہ کی سوانح سے خاص متعلق ہیں۔

۱۲ شوال ۱۰۱۹ھ شب جمعہ۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کی ولادت  
سرہند شریف میں ہوئی۔

۱۰۰۰ھ۔ آپ نے حضرت خواجہ باقی باللہ سے بیعت کی۔

۲۷ جمادی الاخریٰ ۱۰۰۷ھ۔ آپ کے والد محترم کا اسی سال کی عمر میں انتقال ہوا۔

بروز جمعہ ربیع الاول ۱۰۱۰ھ۔ آپ نے خلعت تجدید زین تن فرمایا۔

دوشنبہ ۲۷ رمضان ۱۰۱۰ھ۔ آپ کو خلعت قبولیت عطا ہوئی۔

۱۰۲۹ھ۔ آپ عساکر سلطانی کے ساتھ پنجاب سرحد دہلی اور اجمیر شریف تشریف لے گئے،

ہفتہ۔ جمادی الاخریٰ ۲۵-۱۰۱۲ھ۔ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ نے

چالیس سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔

۱۰۱۲ھ۔ بادشاہ اکبر کی موت ہوئی اور اسی سال ۸ جمادی الثانی کو جہانگیر

تخت نشین ہوا۔

۱۰۰۵ھ۔ حضرت امام ربانیؒ کے صاحب زادے حضرت خواجہ محمد سعید خاں

الرحمۃ بمقام سرہند شریف متولد ہوئے۔

۱۰۰۷ھ۔ حضرت امام ربانیؒ کے صاحب زادے حضرت خواجہ العروۃ الوثقیٰ

خواجہ محمد معصوم تولد ہوئے۔

۱۰۲۲ھ۔ حضرت امام ربانیؒ کے فرزند خواجہ محمد یحییٰ تولد ہوئے۔

۱۰۲۸ھ۔ حضرت امام ربانیؒ کو قلعہ گوالیار میں جہانگیر نے محسوس کیا۔

۱۰۲۴ء — حضرت امام ربانیؒ نے اپنے خلفاء اطراف و جوانب میں اصلاح کی غرض سے روانہ فرمائے۔ جس میں ستر اہل ارادت بسر کردگی مولانا محمد یار ملک ترکستان و قباچق کو اور چالیس ارادت مندین شام اور روم کو بسر کردگی مولانا فرخ حسین اور دس ارادت مند مولانا صادق کابلی کی سرکردگی میں کاشغر کو۔ اور تین ارادت مند مولانا شیخ احمد برہکی کی سرکردگی میں توران و بدخشان اور خراسان کو روانہ فرمائے۔

۱۰۲۵ء — حضرت امام ربانیؒ کے مکتوبات شریف کی پہلی جلد تمام ہوئی۔  
سہ شنبہ ۲۸ ماہ صفر ۱۰۳۴ھ تقریباً سیٹھ سال کی عمر میں حضرت امام ربانیؒ مجدداً شف ثانی رضی اللہ عنہ کا بمقام سرسند وصال ہوا۔

## وفات حسرت آیات

حضرت امام ربانیؒ نے وفات سے چند ماہ پہلے اپنے اکثر دستوں کے ارشاد فرمایا کہ مجھے اپنی عمر تقریباً سیٹھ سال کی معلوم ہوتی ہے۔ اور یقیناً ایسے ہوناقا آفتاب نبوت سے ضیا حاصل کرنے والا بدرستی بھی اتباع نبوت سے کیسے نجات پائے۔ اختیاری معاملات میں جب اس کا یہ حال ہوگا تو غیر اختیاری معاملات میں من جانب اللہ سنت کی اتباع اسے حاصل ہوگی۔

چنانچہ حضرت امام ربانیؒ ایام مرض میں تہنائی بہت پسند کرتے تھے۔ ایک روز حرم سرا کی دہلیز میں بیٹھے ہوئے تھے کہ فرمایا اس موسم سرما میں جو دو مہینے تک آئے گا۔ ہم اس گھر میں نہ سوئیں گے۔ حاضرین نے عرض کیا کہ آپ شاید خلوت خانہ میں آرام

فرمایاں گے۔ فرمایا: نہیں ان گھروں میں سے کسی میں بھی نہیں۔ حاضرین نے عرض کی کہ پھر کس جگہ۔ آپ نے فرمایا میں دیکھ رہا ہوں جو کچھ ہونے والا ہے۔

اس کے بعد آپ نے ارشاد و ہدایت کا سب کام صاحب زادوں کے سپرد کیا۔ اور اپنا تمام وقت ملا دت قرآن مجید اور افکار و اشغال میں مصروف فرمانے لگے۔ سوائے نماز کے خلوت سے باہر نہ آئے۔ نوافل اور صدقات و خیرات کی بھی اس زمانہ میں بہت کثرت فرمائی۔ اور درویشوں کو کپڑے بھی تقسیم فرمائے۔ ذوالحجہ میں آپ کو ضیق النفس کا دورہ ہو گیا۔ اگرچہ آپ پر ضعف غالب آ گیا تھا۔ لیکن عبادات اور وظائف کے اوقات میں سرگرمی نہ آیا۔ بدستور نماز باجماعت ادا فرماتے رہے۔ وصال سے پہلے رات آپ نے اپنے خادموں کو ارشاد فرمایا کہ تم نے بہت محنت کی۔ صرف آج کی رات اور محنت ہے۔ اس رات آپ نے کئی دفعہ یہ پنجابی مصرعہ پڑھا: غ

اج ملا داکونت سوں سکھی سب جگ دیواں دار

اسی رات آپ نے وہ تمام دعائیں پڑھیں جن کا صحیحین میں ذکر ہے۔ رات کے آخری حصے میں دمنو فرمایا اور شہد کھڑے ہو کر ادا کی اور فرمایا یہ ہماری آخری تہجد ہے۔ فجر کی نماز باجماعت ادا کی۔ حسب عادت مراقبہ اور اشغال بھی فرمایا۔ نماز اشراق اور ادعیہ مانورہ بھی پڑھیں اور اسی دن یعنی ۲۸ صفر ۱۰۳۴ھ کو تریسٹھ سال کی عمر میں اپنے محبوب حقیقی کو یاد کرتے کرتے خدا کے یہ سچے عاشق حقائق کے دریا میں تیرنے والے رسول الہی اللہ کی زینہ، حکمت کے دہینہ۔ رحمت کے خزینہ۔ کابلین کی محبت۔

طریقت کے نور۔ علماء کے سردار اور اہل جہان کی زینت اہل دارفانی سے رفیق اعلیٰ سے جاواصل ہوئے

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ط

ناز جنازہ آپ کے صاحب زادہ خواجہ محمد سعید خازن الرحمۃ نے پڑھائی اور  
 بڑے صاحب زادہ حضرت خواجہ محمد صادق رحمۃ اللہ علیہ کی قبر مبارک کے سامنے  
 خاص شہر سرہند میں مدفون ہوئے۔ یہی وہ جگہ ہے جس کے متعلق آپ نے مکتوب میں  
 ارشاد فرمایا ہے کہ :

” اللہ تعالیٰ کی عنایت اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے شہر سرہند  
 گویا میری پیدائش کی جگہ ہے کہ میرے لیے ایک تاریک گہرے کنوئیں کو پڑ کر کے صفحہ  
 بلند بنایا ہے اور اکثر شہروں اور قبضوں پر اس کو بلندی بخشی ہے۔ اس زمین میں اس  
 قسم کا نور امانت کے طور پر رکھا گیا ہے۔ جو بے صفتی اور بے کیفی کے نور سے متعین ہے اور  
 وہ نور اس نور کی طرح ہے جو بیت اللہ کی پاک زمین سے ظاہر اور روشن ہے۔ فرزند اعظم  
 مرحوم (خواجہ محمد صادق) کے ارتحال سے چند ماہ پیشتر اس نور کو اس درویش پر ظاہر  
 کیا گیا اور فقیر کی تنگ زمین میں اس کا نشان دیا تھا۔ وہ نور اس قسم کا ظاہر ہوا تھا کہ صفت  
 نشان کی گہرائی کو نہ لگی۔ اور کیفیات سے مبرا و منزہ تھا۔ اس وقت یہ خواہش پیدا ہوئی  
 کہ میں اس زمین میں دفن کیا جاؤں اور وہ نور میری قبر پر چمکتا رہے۔ اس بات کو میں  
 نے فرزند اعظم (خواجہ محمد صادق) کے آگے ظاہر کیا۔ اور اس نور اور اس خواہش سے  
 مطلع کیا۔ اتفاقاً فرزند مرحوم اس دولت میں سلفت سے گیا۔ اور خاک کے پردے میں  
 اس نور کے دریا میں مستغرق ہو گیا۔

اس شہر بزرگ کے لیے یہ بڑی بھاری شرافت کا موجب ہے کہ میرے فرزند اعظم  
 جیسا شخص جو اللہ تعالیٰ کے بزرگ اولیاء میں سے ہے اس جگہ آسودہ ہے۔ کچھ مدت  
 کے بعد معلوم ہوا کہ وہ نور امانت اس فقیر کے قلبی انوار کا لعل ہے جس کو دہاں سے

اقتباس کر کے اس زمین پر روشن کیا ہوا ہے۔ جس طرح کہ مشعل سے چراغ روشن  
 کر لیں۔ مکتوب ۲۲۔ جلد ثانی،

## نظام الاوقات

نصف شب سے سجد کے لئے اٹھنے کا معمول تھا۔ اور ہر دو رکعت کے  
 بعد توبہ، استغفار اور درود شریف اور دعاؤں کے بعد مراقبہ فرماتے تھے۔ یہ سلسلہ  
 فجر تک قائم رہتا تھا۔ فجر کی نماز باجماعت ادا کرنے کے بعد اشراق تک اپنے  
 متوسلین سے مراقبہ میں بیٹھتے تھے۔ اشراق کے بعد دیگر مشاغل میں مصروف ہوتے۔  
 اکثر متوسلین کا ہجوم رہتا۔ حتیٰ کہ چاشت کی نماز کا وقت ہو جاتا۔ نماز چاشت  
 کے بعد کچھ غذا تناول فرماتے۔ چونکہ حاضر خانقاہ ہوتے۔ وہ بھی دسترخوان  
 پر حاضر ہوتے یا ان کو کھانا تقسیم کیا جاتا۔ کھاتے کے بعد قبولہ فرماتے۔ پھر زوال  
 کے بعد سنتیں اور اس کے بعد ظہر کی سنتیں اور فرض وغیرہ سے فراغت پا کر  
 متوسلین بار بار ہوتے اور نوٹوں و برکات سے استفادہ کرتے۔ یہ سلسلہ نماز عصر  
 تک جاری رہتا۔ اذان کے بعد تھیجۃ الاموال اور عصر کے نوافل پڑھتے۔ پھر جماعت  
 سے فراغت پا کر تعلقین کا سلسلہ جاری رہتا۔ نماز مغرب کے بعد نوافل کا طویل  
 سلسلہ نماز عشاء کے قریب تک جاری رہتا۔ نماز عشاء کے بعد آرام فرمانے کا  
 وقت تھا۔ رات دن کے نوافل میں ایک قرآن شریف ختم کیا جاتا۔ اسی اثنا میں  
 نقائب، مکاتیب اور درس و تدریس و عطا و تلقین کا سلسلہ جاری رہتا۔ سفر  
 میں بھی معمولات پر پابندی کی کوشش کی جاتی۔



حضرت امام ربانیؑ کا یہ نظام الاوقات اس بات کا مظہر ہے کہ عارف باللہ لوگ اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ یادِ الہی میں صرف کرتے ہیں، اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کی اتنی سختی سے پابندی کر کے متوسلین کے سامنے نمونہ پیش کرتے ہیں۔ اسی نظام الاوقات میں بال بچوں کی خبر گیری گھر کے معاملات کی اصلاح اور تمام دنیوی معاملات شامل ہیں۔ حضرت امام ربانیؑ کی زندگی پر غور کرنے سے ان صلوٰتی وَنُسُکِی وَمَحَیَایَ وَ مَسَاقِی لِیْلَدْرِیْبِ الْعَالَمِیْنَ ؕ کے اسرار و معارف خود بخود دل میں آنے شروع ہو جاتے ہیں۔

اسلام کا اعجاز اس سے بڑھ کر اور کیا ہو گا۔ کہ کامل مسلمان کی زندگی کا ہر پہلو صرف خدا کی رضا کے ماتحت ہونا ہے۔ اور اس میں وہ اپنی ترقی کا راز مضمر سمجھتا ہے۔

## تصانیف

- ۱۔ مکتوبات شریف
- ۲۔ معارفِ لدنیہ
- ۳۔ مکتوبات غیبیہ
- ۴۔ رسالہ تہلیبہ
- ۵۔ شرح رباعیات حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ
- ۶۔ رسالہ فی اثبات النبوت
- ۷۔ رسالہ سلسلہ حدیث وغیرہ۔

## تخلیقات

شیخ عبدالمجید بنگالی شیخ عبدالحی شیخ نور محمد نقوی شیخ سزعل پوری بی۔ شیخ نور محمد

بہاری۔ شیخ ساد بہاری۔ مولانا فرخ حسین سید باقر سارنگ پوری۔ سید محب اللہ  
 مانگ پوری۔ سید حسین مانگ پوری۔ مولانا شیخ عبدالہادی بدایونی۔ شیخ طاہر ندکی  
 لاہوری۔ مولانا امان اللہ لاہوری۔ شیخ طاہر بدشتی۔ الحاج خضر افغان۔ مولانا صادق  
 کابلی۔ مولانا عاشق۔ خواجہ محمد ہاشم بریلوی پوری۔ مرشد میر زمان بیگ۔ شیخ فضل اللہ  
 بریلوی۔ مولانا حمید الدین احمد آبادی۔ حاجی حسین۔ شیخ داؤد سانگی۔ مولانا غازی  
 نو کجراتی۔ میر محمد نعمان اکبر آبادی۔ خواجہ محمد صدیق دہلوی۔ شیخ بدیع الدین سہارنپوری  
 شیخ احمد دینی۔ شیخ عبدالقادر انبالی۔ شیخ محمد مری۔ شیخ سلیم نوری۔ شیخ آدم نوری  
 مولانا بدر الدین سرہندی۔ شیخ خضر بہلول پوری۔ مولانا محمد یوسف سرگندھی۔ مولانا  
 محمد صالح کولابی۔ شیخ کریم الدین۔ بابا حسن ابدالی۔ الحاج محمد فرگنی۔ مولانا محمد یار  
 قدیم طائفانی۔ مولانا یار محمد جدید۔ صوفی قربان قدیم۔ صوفی قربان جدید۔ مولانا  
 قاسم علی۔ شیخ حسن برکی۔ شیخ عبدالرحیم برکی۔ مولانا بغیر احمد دمی حنفی۔ شیخ عبدالعزیز  
 نحوی۔ شیخ علی المحقق مالکی مدنی۔ شیخ زین العابدین۔ شیخ علی طبری شافعی مکی۔  
 شیخ احمد استنبولی حنفی۔ فقیہ عثمانی عینی شافعی سید مبارک شاہ بخاری۔ مولانا  
 حسن بخاری۔ قاضی تونک بخاری۔ شیخ بیسی مغربی۔ شیخ محمد مدنی وغیرہ۔

# صاحب زادگان

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی دو بڑی کرامات صفحہ روزگار پر باقی ہیں۔ ایک آپ کی تصانیف جن کا ایک ایک لفظ حقائق و معارف کے اسرار کھولتا ہے۔ اور دلوں کی الجھی ہوئی گتھیاں سلجھاتا ہے۔ ہر فقرہ اطمینان کا باعث اور ایقان کا موجب۔ کتاب اللہ و سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اسرار و رموز سے لبریز ہدایت کی راہ پر مستحکم کرنے والا ہے۔

دوسرے آپ کے صاحب زادگان جن کا علم و فضل اور کمالات روحانی

حضرت امام ربانیؒ کی ہمت و توجہ کا مظہر ہے۔ الولد سرلابیہ

حضرت امام ربانیؒ کے سات صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں تھیں۔ خواجہ

محمد صادقؒ، خواجہ محمد سعیدؒ، خواجہ محمد معصومؒ، خواجہ محمد فرخؒ، خواجہ محمد عیسیٰؒ، خواجہ

محمد اشرف۔ شیخ محمد یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ۔

خواجہ محمد صادق

آپ حضرت شیخ کے فرزند اکبر ہیں۔ جو ۱۰۰۰ھ میں پیدا ہوئے۔ بچپن میں اپنے

جد بزرگوار کے دامن تربیت میں رہے۔ جب ۱۰۰۸ھ میں حضرت شیخ قدس سرہ دہلی میں حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ بھی ہمراہ تھے۔ اس وقت آپ نے اپنے والد بزرگوار کی طرح حضرت خواجہ سے اخذ طریقہ کیا اور معاملاتِ عظیمہ آپ پر وارد ہوئے۔ یہاں تک کہ کبھی دفر مستی اور غلبہ جذبہ میں ننگے سر اور ننگے پاؤں جدِ صحرابی چاہنا نکل جاتے اور سبق کی کتابیں بالائے طاق رکھی رہ جاتیں ایک روز ایک درویش حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے کسی بزرگ کی خدمت میں سلوک تمام کر کے خلافت حاصل کی تھی۔ وہ وطن کو جاتے ہوئے یہاں کھڑ گیا۔ اس نے اپنے حالات بلند حضرت خواجہ سے ذکر کیے۔ اس کی مراد یہ تھی کہ ایسے حالات ہمیں حاصل ہیں۔ اگر یہاں کچھ زیادہ ہے تو استغاضہ کر دوں حضرت خواجہ نے محمد صادق کو طلب کر کے فرمایا۔ بابا! اپنے احوال بیان کر تا کہ جہاں درویش سن سے۔ آپ نے وہی درویش واسے احوال اور کچھ زائد بیان کیے۔ جب اس درویش نے دیکھا کہ اس آستان کا ایک طفل بہشت سالہ جسے داخل طریقہ ہوئے۔ دو تین ماہ ہوئے ہیں۔ وہ حالات بیان کرتا ہے تو اسے پچاس سال میں حاصل ہوئے تو اپنے احوال کی دید کا عذر اس کے دماغ سے نکل گیا۔

رطکین ہی سے آپ کشفِ گون اور کشفِ قبور میں نظر صائب رکھتے تھے۔ چنانچہ حضرت خواجہ آپ کے کشف و فراست پر اعتماد کر کے آپ سے امور کو نیہ غیبیہ دریافت فرمایا کرتے تھے۔ اور قبرستان میں لے جا کر مردوں کے حالات پوچھا کرتے تھے اور آپ جیسا نظر پڑتا عرض کر دیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپ کا چچا شیخ محمد مسعود بغرض تجارت خراسان کو جانے لگا۔ آپ بطریقِ مشابعت اس کے ساتھ اپنے جد بزرگوار محمد عبداللہ قدس

سرہ کے مزاد تک اور ایک لمحہ مزاد مبارک پر مراقب رہے۔ مراقبہ سے سر اٹھا کر فرمانے لگے کہ میرے دادا جان چچا صاحب کو اس سفر سے منع کرتے ہیں چونکہ آپ اس وقت کم سن تھے ایسے شیخ صاحب نے خیال نہ کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شیخ مسعود اسی سفر میں مقتول ہوئے۔ آپ جامع علوم عقلیہ و نقلیہ تھے۔ اکثر علوم آپ نے اپنے والد بزرگوار کی خدمت میں حاصل فرمائے۔ کچھ مولانا طاہر لاہوری اور کچھ مولانا معصوم کی خدمت میں حاصل کیے۔ اٹھارہ سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہو کر تدریس میں مشغول ہوئے۔ معقول و منقول میں آپ کو اس قدر مہارت تھی کہ ایک روز آپ کو شیراز کے ایک فاضل کی خدمت میں حاضر ہونے کا اتفاق ہوا جو ہندوستان میں آیا تھا اور معقولات میں بے نظیر تھا۔ آپ نے بہت د حکمت کے چند حقائق طبعاً اس سے ذکر کیے۔ فاضل موصوف کہنے لگا کہ جب تک میں نے اس جوان کو نہ دیکھا تھا مجھے یقین نہ تھا کہ طلبہ ہندوستان میں سے کوئی طالب علم علوم عقلیہ کے مسائلِ دقیقہ کی قوتِ ادراک کا حقہ رکھتا ہوگا۔

مہارتِ علمی کے ساتھ آپ نے سلوک کو بھی درجہ تکمیل تک پہنچا دیا تھا۔ چنانچہ اکیس برس کی عمر میں آپ کے والد بزرگوار نے آپ کو خلعتِ خلافت سے سرفراز فرمایا۔ حضرت شیخ نے مکتوبات میں آپ کی شان میں کئی جگہ کلماتِ مدحیہ درج فرمائے ہیں۔ چنانچہ ایک مکتوب میں لکھتے ہیں کہ میرا بیٹا میرے معارف اور مقاماتِ جذب و سلوک کا نسخہ ہے۔ وہ محرم اسرار و خطا و غلط سے معنون و محفوظ ہے۔ — جب آپ کی عمر چوبیس سال کی ہوئی تو سرمنڈی و بائے طاعون شدت سے نمودار ہوئی۔ ہر روز لوگ کثرت سے ہلاک ہونے لگے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ دیا تر تمہ چاہتی ہے۔ جب تک ہم نہ جائیں گے تسکین نہ ہوگی۔ چنانچہ آپ کو بخار ہو گیا، اور طاعون کی گلٹی آپ کی ران میں ظاہر ہوئی اور دو شنبہ کے دن

۹ ربیع الاول ۱۰۲۵ھ وصال فرمایا اور الفاظ ”دو شنبہ نم ربیع الاول“ سے ہی آپ کی تاریخ نکلتی ہے۔ آپ سے ایک دو دن پہلے آپ کے بھائیوں محمد فرخ اور محمد عیسیٰ رحمہما اللہ تعالیٰ نے اور آپ کی بہن ام کلثوم نے اسی مرض میں انتقال فرمایا، اور یہ تینوں اپنے جد بزرگوار حضرت مخدوم قدس سرہ کے مزار میں دفن ہوئے۔

خواجہ محمد صادق کے وصال کے بعد وہاں کے قبیلہ میں نہ رہی جو بیمار تھے وہ صحت یاب ہو گئے۔ ان مریضوں نے شدتِ مرض میں دیکھا تھا کہ حضرت مخدوم زادہ ان کو اس جماعت کے ہاتھ سے چھڑا رہے ہیں جو اس وبا پر موکل تھے، اور ان سے فرمایا ہے میں کہ اب جو ہم نے اس بلا کو اپنے اوپر لے لیا۔ تمہیں لوگوں سے اٹھنا جائز نہیں۔ ایک شخص نے خواب میں دیکھا کہ جو شخص حضرت مخدوم زادہ کا نام لکھ کر اپنے پاس رکھے گا اس وبا سے رہائی پائے گا۔ چند لوگوں نے اس کا تجربہ کیا اور نام مبارک میں عجیب اثر دیکھا۔

آپ کے انتقال کے بعد رشتہ داروں کی رائے تھی کہ آپ کو آپ کے جد بزرگوار کے مقبرے میں دفن کیا جائے۔ حضرت مجدد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مراقبہ کیا تو اس جگہ کا حکم ہوا جہاں اب آپ کا مزار مبارک ہے۔

حضرت مجدد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے فرزند اعظم اور ان کے دو بھائیوں کے انتقال کا سخت رنج ہوا۔ چنانچہ آپ مولانا صالح کو یوں تحریر فرماتے ہیں:

”بھائی ملا صالح نے اہل سرہند کے واقعات سنے ہوں گے۔ میرے بیٹے نے جی اپنے دو چھوٹے بھائیوں محمد فرخ اور محمد عیسیٰ سمیت آخرت کا سفر اختیار کیا۔ اِنَّ اللّٰهَ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاٰجِعُوْنَ ط الحمد للہ سبحانہ کہ اولاً انہوں نے باقی ماندگان کو توت صبر عطا فرمائی اور ثانیاً اس وبا کا خاتمہ کر دیا۔ کسی نے خوب کہا ہے۔“



من از تور دئے تہ پیم گرم بیازاری کہ خوش بود عزیزاں تحمل و خواری  
 بر اذ حق جل اسما کی آیتوں میں سے ایک آیت اور رب العالمین کی رحمتوں میں سے  
 ایک رحمت ہے۔ پوسہاں کی عمر میں اس نے وہ حاصل کیا کہ کم کسی نے کیا۔ اس نے مولویت  
 کے پایہ اور عدم تقلید، منلیہ کی تدریس کو ایسی حد کمال تک پہنچا دیا تھا کہ اس کے شاگرد  
 تفسیر بیضاوی اور شریح موافق اور ان کی مثل اور کتابوں کو پوری قدرت سے پڑھاتے ہیں۔  
 اس کی معرفت و عرفان کی حکایتیں اور شہود و کشف کے قصے محتاج بیان نہیں۔

تہیں معلوم رہے کہ وہ آٹھ سال کی عمر میں ایسے مغلوب الحال ہو گئے تھے کہ ہمارے  
 حضرت خواجہ قدس سرہ ان کے حال کی تسکین کا علاج بازاری کھانوں سے کیا کرتے  
 تھے جو مشکوک مشتبہ ہوتے ہیں، اور خواجہ ممدوح فرمایا کرتے تھے کہ جو محبت مجھے صادق  
 سے ہے وہ کسی سے نہیں، اور اسی طرح جو محبت اسے ہمارے ساتھ ہے وہ کسی کے ساتھ  
 نہیں۔ حضرت خواجہ کے اس ارشاد سے ان کی بزرگی کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ فرزندِ موصوف  
 نے ولایتِ موسوی کو نقطہ آخر تک پہنچایا ہوا تھا اور اس ولایتِ علیہ کے عجائب و غرائب  
 بیان فرمایا کرتا تھا اور ہمیشہ فروتن، متواضع، ملتجی، متضرع اور متذلل و منکسر رہا کرتا اور  
 فرمایا کرتا کہ اولیاء میں سے ہر ایک نے حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ سے ایک چیز مانگی  
 ہے، میں نے التجا و تضرع مانگی ہے۔

مخوفی کی نسبت کیا لکھوں۔ گیارہ سال کی عمر میں کافیہ پڑھتا تھا اور سبق سمجھ کر  
 پڑھتا تھا اور ہمیشہ عذابِ آخرت سے ہراساں و لرزاں رہتا اور دعا کرتا کہ طفولیت  
 میں دینائے دنی سے رخصت ہو جلتے۔ تاکہ آخرت کے عذاب سے خلاصی پاسے۔  
 مرض الموت میں جن یاروں نے اس کی تیمارداری کی اس سے عجائب و غرائب مشاہدہ

کئے۔ محمد عیسیٰ کی آٹھ سال کی عمر تک کی کرامات و خوارق جو لوگوں نے مشاہدہ کئے وہ میں کیا لکھوں۔

حاصل کلام یہ کہ میرے تینوں فرزند جو اپر نفسیہ تھے، جو بطور روایت ہائے سپرد کئے گئے تھے۔ الحمد للہ والمنہ کہ ہم نے بغیر کسی ناخوشی و اکراہ کے امانتیں اہل امانات کے حوالے کر دیں۔ (مکتوب ۳۰۶۔ جلد اول)

حضرت خواجہ محمد صادق قدس سرہ کی قبر پہلے کچی تھی۔ پھر کچھ مدت کے بعد آب کے والد بزرگوار نے اس پر ایک گنبد تعمیر فرمایا۔ قبر مبارک اس قبہ کے مرکز میں کھڑی مغرب کی طرف تھی۔ جب حضرت مجدد و رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وصال ہوا تو ان کو پورا اس قبہ میں دفن کیا گیا۔

آپ کی اولاد میں صرف ایک فرزند زینہ تھا جس سے سلسلہ آگے چلا۔

خواجہ محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ

آپ حضرت شیخ کے دوسرے فرزند ہیں۔ آپ کی ولادت باسعادت ماہ شعبان المعظم ۱۰۰۵ھ میں بمقام سرسبز شریعت ہوئی۔ بچپن ہی سے آثارِ ہدایت و ولایت آپ کی پیشانی مبارک سے ہویا تھے۔ چنانچہ آپ کے والد بزرگوار فرماتے ہیں کہ:

محمد سعید چار پانچ سال کے تھے کہ بیمار ہو گئے۔ غلبہ مرض میں ان سے پوچھا گیا کہ تم کیا چاہتے ہو۔ بے اختیار ان کی زبان سے نکلا کہ میں حضرت خواجہ کو چاہتا ہوں۔ میں نے ان کی یہ بات حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ سے عرض کی۔

فرمایا تمہارے محمد سعید نے رندی و حریفی کی اور غائبانہ ہم سے نسبت لے گیا۔

جب آپ سن تیز کو پہنچے، تو علوم ظاہری کی تحصیل میں مشغول ہوئے۔ کچھ اپنے بڑے

بھائی خواجہ محمد صادق سے اور کچھ شیخ طاہر لاہوری سے اور باقی اپنے والد بزرگوار سے پڑھا۔ سترہ برس کی عمر میں فارغ التحصیل ہو کر تدریس میں مشغول ہوئے اور کئی تصانیف لطیفہ تحریر فرمائیں۔ چنانچہ مشکوٰۃ المصابیح پر تعلیقات لکھیں جن میں مذہب حنفی کی تائید کی۔ حاشیہ خیالی پر ایک حاشیہ متین لکھا اور اس میں اپنے وقائق خلاصہ تحریر فرمائے۔ ایک رسالہ رفیع سابر کی ممانعت میں تحریر فرمایا۔ مناظرہ میں آپ کو یدِ طولیٰ حاصل تھا۔ مخالفت کو ساکت کر دیا کرتے تھے جب کبھی کسی تقریب سے محفلِ سلطانی میں جلتے تو بادشاہ آپ ہی سے مسائل دریافت کیا کرتا تھا۔ جلالاًکہ علماء و فضلاء موجود ہوتے۔ آپ کی تصانیف میں سے ایک جلد مکتوبات شریف کی ہے جس میں آپ نے بڑے بلند حقائق اور ذات و صفات کے متعلق وقائق بیان کئے ہیں۔

آپ نے کمالاتِ باطنی مثل علوم ظاہری کے کامل طور سے اپنے والد بزرگوار کی صحبت میں حاصل کئے اور ولایتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوئے۔ حضرت مجددِ رضی اللہ عنہ نے اخیر عمر میں تعلیم، طریقہ اور خدمتِ ارشاد آپ کے اور خواجہ محمد معصوم کے سپرد کر دی تھی اور فرمایا کرتے تھے کہ ہر قطب کے واسطے دو امام درکار ہیں۔

محمد سعید اور محمد معصوم دونوں میرے امام ہیں۔

حضرت شیخ نے آپ کی نسبت بہت سی بشارتیں دی ہیں۔ چنانچہ آپ کو خلعتِ خلیفہ کی بشارت دی۔ ایک روز فرمایا کہ ہمارے محمد سعید علمائے راجستھان سے ہیں، اور ایک روز فرمایا کہ محمد سعید زمرہ سابقین میں سے ہیں۔ ایک دفعہ فرمایا کہ محمد پر میدانِ قیامت اور میرے مریدوں کا پل صراط سے گزرنا مکشوف ہوا۔ محمد سعید ہم سب میں سے آگے آگے چل رہے تھے، اور کتابِ اعمال سیدھے ہاتھ میں لئے ہوئے تھے۔ پس ہم سب بہشت میں داخل ہو گئے۔

نیز فرمایا کہ محمد سعید خازن رحمت الہی ہے۔ قیامت کے دن تقسیم خزان رحمت اس کے سپرد ہوگی۔  
 فرمایا کہ محمد سعید اتم نے دائرہ نفی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قطع کر لیا، اور اب اس بات میں میرے  
 شریک ہو۔ یہ بھی فرمایا کہ عروج و ترویل کے ہر مقام میں تم میرے ہمراہ رہے ہو۔ ایک روز فرمایا  
 کہ محمد سعید اتم میرے ضمنی ہوا، اتم اس بات سے تنگ دل نہ ہونا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ  
 تعالیٰ عنہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے ضمنی تھے۔

آپ کے بھائی حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ آپ کے مناقب یوں تحریر فرماتے ہیں:-

”چھوٹی عمر سے قبول و کرامت کے آثار ان سے ظاہر تھے اور بچپن کے

زمانہ سے ولایت و نجابت کے اطوار نمایاں تھے۔ حضرت قطب الولایت خواجہ

باقی باللہ کی حیات کے زمانہ میں یہ خورد و سال تھے اور حضرت خواجہ کی ظاہری

ملازمت میں نہیں پہنچے۔ لیکن حضرت خواجہ نے ان کے حق میں فرمایا تھا کہ

محمد سعید حریف ہے۔ ہم سے غائبانہ نسبت لے گیا ہے۔“

انہوں نے کمالات ظاہری و باطنی اپنے والد بزرگوار کی خدمت میں حاصل کئے ہیں

اور سترہ سال کی عمر میں علوم ظاہری معقول و منقول کو کمال کے درجہ پر پہنچا پایا ہے، اور

اپنے والد بزرگوار کی طرح کمال تشریح و تفسیر سے آراستہ اور متابعت سنت و عمل

پر عزیمت سے پیراستہ تھے۔ کلام کی نرمی۔ کمال تواضع۔ مہمانوں کی دل جوئی میں اتمام موجود

کو خراج کر دینا اور اپنی ہستی کی نفی ان کا طریقہ حسنہ ہے۔ مسند عالی کے ساتھ قرآن مجید کی

تجوید فرمائی۔ حدیث نبوی علیٰ صلواتہ والسلام میں مسند مجید اور رتبہ اعلیٰ رکھتے

ہیں۔ اور فقہت میں کامل دست گاہ رکھتے ہیں۔ ہمارے حضرت اجداد کو اکثر اوقات

جو مسئلہ فقہیہ کی تحقیق کی ضرورت پڑتی ہے تو ان سے دریافت کر لیتے ہیں۔ بعض وقت

یہ جو مشکلات مسائل کو حل کرتے تھے۔ اور بعض مضائق سے خلاصی کی راہ بتایا کرتے تھے تو حضرت بہت خوش وقت ہوا کرتے تھے۔ اور ان کے حق میں دعا کیا کرتے تھے اور حضرت کے حضور میں مراتب کمال تکمیل کو پہنچے تھے اور خلافت سے مشرف تھے۔ اس وقت بھی طریقہ تعلیم اور ارشاد طلبہ فرمایا کرتے تھے، اور معاد (آخرت) کی کمال عقل کے باوجود عقل معاش میں بھی درجہ کمال رکھتے تھے۔ چنانچہ اکثر امور میں ان سے صلاح و مشورہ کیا کرتے تھے، اور ان کی رائے کو پسند فرماتے تھے اور امور باطن میں بھی یہ حضرت کے راز دار تھے، اور حضرت ان سے وہ راز بیان کر دیا کرتے تھے کہ جن میں کم کوئی شریک ہوتا۔ اور یہ حضرت کے پوشیدہ اسرار اور معاملاتِ خاصہ کے ساتھ ہمیشہ و متحقق ہیں۔ ظاہری امراض والے ان کی توجہ سے شفا کے طالب ہیں اور باطنی امراض والے ان کے تصرف سے جمعیت کے ساتھ سلوک طے کرتے ہیں۔

حاصل کلام یہ قطب المحققین دارث المرسلین حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ کے اس قول کے مصداق ہیں کہ ہم فضلی ہیں۔ ان کی بزرگی میں یہ نقل کافی ہے کہ یہ معاملہ میں دیکھتے ہیں کہ اصحاب کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ہمارے پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام جمع ہیں، اور یہ (محمد سعید) بھی ہمارے حضرت (محمد) کے چند باروں کے ساتھ اس مجلس میں حاضر ہیں۔ اس اشارہ میں اصحاب کرام ایک کاغذ طلب کرتے ہیں۔ تاکہ آل سرور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرضداشت لکھیں۔ چنانچہ کاغذ حاضر کیا گیا، اور انھوں نے اس مضمون کی عرضداشت لکھی کہ یہ (محمد سعید وغیرہ) اور ہم عنایت الہی جل سطرانہ میں برابر ہیں۔ حالانکہ ہم نے یہ سب تکالیف اور ریاضات ناذر اٹھائیں، انہوں نے یہ اٹھائیں۔ اس کی وجہ کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے یو اب ہیں۔ ایسا قرآنی

تحریر فرمائی: ذَالِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ط  
 اور معارف و حقائق کے بیان کرنے اور اسرار و دقائق کی شرح میں زبان عالی و  
 بیان شافی رکھتے ہیں۔ اور چونکہ اہل باطن کے نزدیک سب سے بڑا کمال اور سب سے  
 ظاہر کرامت و دقائق ذات اور حقائق صفات تعالیٰ و تقدست میں کلام ہے۔ جو  
 ان سے جوشِ ذوق اور خروشِ شوق میں صادر ہوا ہے۔ ناچار میں ان کے کمالات کی شرح  
 اور کمالات کی تفصیل سے زبان کو بند کر کے ان کے طفوظات و مکتوبات کا حوالہ دیتا ہوں  
 تاکہ ان سے اس تک سراغ لگائیں اور معنی سے صورت کی طرف رغبت کریں۔ کسی  
 نے خوب کہا ہے:

”قیاس کُنْ زُكُلِ اسْتَانٍ مِنْ بَهَارِ مَرَا“

(مکتوبات ص ۱۱ معصومیہ جلد ثالث)

آپ رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت سے بھی مشرف ہوئے ہیں۔ وہاں کے حالات و واردات  
 کو آپ کے فرزندِ نچیم حضرت شیخ عبدالاحد نے ایک رسالہ میں ذکر کیا ہے۔ نقل ہے  
 کہ ایک روز آپ حرمِ نبویؐ میں تئیمہ المسجد پر پورے تھے کہ روضہ مقدسہ سے آوائی:  
 أَنَجِلْ أُنَجِلْ أَنَا إِلَيْكَ مُشْتَاقٍ - جلدی کیجئے جلدی کیجئے میں تمہارا مشتاق ہوں۔  
 کہتے ہیں کہ آپ نے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو اظہر تہ ان ظاہری  
 آنکھوں سے دیکھا ہے۔ آپ صاحبِ کرامات ہیں۔ آپ کی کرامات و کمالات قدسیہ  
 کی تشریح کی اس مختصر رسالے میں گنجائش نہیں۔

آخری عمر میں آپ کو اورنگ زیب عالمگیر نے بڑی منت سماجت سے دہلی بلایا اور  
 آپ بھی اس کے اخلاص کو مد نظر رکھ کر تشریف لے گئے۔ ابھی وہیں تھے کہ بیماری شروع ہوئی



اور روز بروز ترقی پر تھی۔ بہتیرا علاج معالجہ کیا، مگر کچھ افادہ نہ ہوا۔ آخر کار جب آپ کو معلوم ہو گیا کہ وقت قریب ہے تو بادشاہ سے رخصت لے کر وطن کی طرف روانہ ہوئے جب دہلی سے ۳۶ میل کے فاصلے پر سنبھالکھ میں پہنچے تو ۲۷ جمادی الاخریٰ ۱۰۷۰ھ میں وہیں وصال ہوا۔ تجہیز و تکفین کے بعد پالکی میں سرسبز شریف لائے گئے۔ خواجہ محمد مصوم نے حکم دیا کہ آپ کو بھی حضرت مجدد وائف ثانی کے قبہ مبارک میں دفن کیا جائے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ قبہ مبارک میں اور قبر کی گنجائش نہیں۔ حضرت عروۃ الوثقیٰ نے اصرار کیا۔ لوگوں نے حسب اللہ شاہ کدال زمین پر پیرا تو قبہ کی دیوار چاروں طرف سے ہٹ گئی، اور فرش غائب ہو گیا اور آپ دفن کئے گئے۔ آپ کی اولاد آٹھ لڑکے اور پانچ لڑکیاں تھیں۔ آپ کے تیسرے لڑکے مولوی فرخ شاہ تھے جو بڑے جید عالم تھے۔ حضرت مجدد وائف ثانی کی اکثر اولاد ان ہی کی شاگرد ہے۔ مخالفوں نے جو کلام حضرت مجدد رضی اللہ عنہ پر اعتراض کئے ان کے جواب میں آپ نے رسالہ کشف العظالم لکھا۔ جیسا کہ پہلے مذکور ہوا آپ نے ۴ سوال ۱۱۱۸ھ میں انتقال فرمایا اور حضرت مجدد کے روح سے جانب مغرب قبہ مبارک میں دفن ہوئے۔ حضرت خازن رحمت کے پانچویں فرزند شیخ عبدالاحد مشہر بہ شاہ گل اپنے زمانہ کے بڑے مشائخ میں سے تھے۔ اور صاحب تصانیف تھے۔ شعر بھی کہتے تھے۔ وحدت تخلص تھا۔ چنانچہ آپ کا دیوان اور مثنوی چارچمن مشہور معروف ہیں۔ ان کے علاوہ شواہد التجدید لطائف مدینہ اور جنود اللہ وغیرہ آپ کی تصانیف ہیں۔ رخصتوں کی تسکنت کی وجہ سے ان کو گل کہا کرتے تھے۔ جمعہ کے دن ۲۷ ذی الحجہ ۱۱۲۶ھ کو دہلی میں وفات پائی۔ جب قیوم رابع کو شیخ صاحب کی وفات کی اطلاع ہوئی تو فرمایا کہ گل بخت رسید۔ پھر ناز جنازہ ادا کر کے نعش کو سرسبز بھیج دیا گیا اور وہاں حضرت مجدد وائف ثانی رضی اللہ عنہ کی خانقاہ میں حوض کے اوپر

صد اور آپ کے نبوب کی طرف دفن کئے گئے شیخ خلیل اللہ حضرت خازن رحمت کے  
 نپت فرزند ہیں۔ آپ علمِ حکم اور تاقوتِ آراستہ اور ثباتِ و طاقیت کے پابند  
 تھے۔ ۳۱ھ میں وصال فرمایا۔ حضرت مجددِ اہل ثانی سے ۱۰۰۰۰ نورہ میں تہہ کے محازی مغرب  
 کی طرف مدفون ہوئے۔ حتیٰ کہ حضرت مجددِ الف ثانی اور آپ کی قبریں صرف ایک دیوار  
 کا فرق ہے۔

### خواجہ محمد معصوم قدس سرہ

آپ حضرت مجددِ الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ تعالیٰ عنہ کے خلیفہ و فرزندِ سوم تھے آپ  
 کی ولادت ۱۰ شوال ۱۰۰۰ھ میں ہوئی۔ آپ کے والد بزرگوار فرماتے تھے کہ محمد معصوم کی آمد  
 بمائے واسطے بہت مبارک ہوئی۔ کیونکہ ان کی ولادت کے چند ماہ بعد تم حضرت خواجہ  
 باقی باللہ قدس سرہ کی ملازمت سے مشرف ہوئے اور ان کی خدمت میں دیکھا جو کچھ دیکھا۔  
 لڑکپن ہی میں آپ کے والد بزرگوار آپ کی مدد کی تعریف کیا کرتے تھے اور  
 فرماتے تھے کہ یہ لڑکا محمدی المشرّب ہے۔ چنانچہ ایک کب میں لکھتے ہیں :-

از فرزندِ محمد معصوم چہ نوید کہ وے بالذات قابلِ اس دولت است  
 یعنی ولایتِ خاصہ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام، اور یہ بھی فرماتے تھے کہ  
 محمد معصوم کی بلند استعداد کی وجہ تھی کہ تین سال کی عمر میں حرفِ توحید آپ  
 کی زبان مبارک سے نکلا اور یوں کہنے لگے کہ میں آسمان ہوں، میں زمین  
 ہوں، میں یہ ہوں میں وہ ہوں۔ دیوارِ حق ہے۔ حضرت شیخ نے اس وقت  
 فرمایا کہ اس طریق میں پیر و جوان برابر ہیں۔ اور انوارِ فیوض کے وصول  
 میں عورتیں اور بچے مساوی ہیں۔

حضرت مجددِ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آثارِ رشد کو دیکھ کر آپ پر نظر عمائد رکھتے تھے اور فرماتے تھے کہ چونکہ علمِ مبداً حال ہے۔ اس کا حاصل کرنا ضروری ہے۔ اسی وجہ سے حضرت نے آپ کو علومِ معقول و منقول کی تحصیل کی ہدایت کی۔ اکثر علوم آپ نے اپنے والد بزرگوار سے اور کچھ اپنے بڑے بھائی خواجہ محمد صادق اور شیخ محمد طاہر لاہوری سے پڑھے۔ چودہ سال کی عمر میں آپ نے واقعہ میں دیکھا کہ میرے بدن سے ایک نور نکلتا ہے کہ اس سے تمام عالم منور ہے، اور وہ نور عالم کے ہر ذرہ میں ساری ہے مثل آفتاب کے کہ اگر وہ غریب ہو جائے تو عالم تاریک ہے۔ آپ نے یہ واقعہ اپنے والد بزرگوار کی خدمت میں عرض کیا تو حضرت نے آپ کو بدیں الفاظ بشارت دی:

توقطب وقت خویش میشودی و این سخن از من یاد دار۔

(مکتوباتِ معصومیہ۔ جلد اول۔ مکتوب ۸۶)

## اشاعتِ طریقہ

حضرت قیوم ثانیؒ یکم ربیع الاول ۱۰۳۲ھ کو مستدارِ شاد و قیومیت پر جلوہ افروز ہوئے۔ اس روز پچاس ہزار آدمیوں نے آپ سے بیعت کی جن میں سے دو ہزار حضرت مجددِ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلفاء تھے۔ باقی خلفاء جو مختلف ممالک میں تھے وہ بھی مختلف اوقات میں سرسند شریف میں حاضر خدمت ہو کر بیعت سے مشرف ہوئے۔ ماوراء النہر خراسان و بدخشاں وغیرہ ممالک کے بادشاہوں نے اپنے وکیل مع تحائف بھیج کر غائبانہ آپ سے دوبارہ بیعت لی۔ قیومیت کے تیسرے سال جب شاہ جہان تخت پر بیٹھا تو سرسند میں حاضر خدمت ہو کر دوبارہ بیعت سے مشرف ہوا اور ترویجِ اسلام میں غایت درجہ کوشش کی گئی۔ چوتھے سال خواجہ محمد حنیف کابلی حاضر خدمت ہو کر آپ سے بیعت ہوئے۔ آپ نے

انہیں خلافت دے کر کابل بھیج دیا۔ خواجہ صاحب کو وہاں بڑی قبولیت نصیب ہوئی۔ اور ہزار ہا لوگ ان کے مرید ہو کر صاحب حال ہوئے۔ پانچویں سال خواجہ محمد صدیق پشوری اور شیخ ابوالنظر برہان پوری حاضر خدمت ہو کر بیعت سے مشرف ہوئے۔ آپ نے خواجہ صاحب کو خلافت دے کر پشاور بھیجا۔ جہاں ان کو بڑی کامیابی ہوئی۔ اور شیخ صاحب کو کچھ مدت کے بعد خلیفہ بنا کر وکن روانہ کیا جہاں بہت سے لوگ ان کے مرید ہوئے۔ چھٹے سال اخون موسیٰ تنگہاری اور خواجہ عبدالصمد کابلی شرف بیعت سے مشرف ہوئے۔ اور خلافت پا کر اپنے وطن میں اشاعتِ طریقہ میں مشغول ہوئے۔ ساتویں سال شیخ بدرالدین سلطان پوری اور شیخ انور نورسزائی بیعت ہوئے اور خلافت دے کر بعض اشاعتِ طریقہ سلطانپور اور نور محل میں بھیج دئے گئے۔ آٹھویں سال ملک شام کے سات سو علماء مشائخ اور وہاں کے دیگر ہزار ہا آدمی سرمہند شریف میں آکر بیعت سے مشرف ہوئے اور نویں سال خٹکار روم نے اپنے وکیل کے ہاتھ تحائف و ہدایا بھیجے اور غائبانہ بیعت کی تیرھویں سال عبدالعزیز شاہ تورانی غائبانہ بیعت سے مشرف ہوا۔ چودھویں سال شہزادہ محمد اورنگ زیب عالمگیر بیعت سے مشرف ہوئے۔ پندرھویں سال اورنگ زیب عالمگیر کی بہن روشن آرا نے اور سولہویں سال روشن آرا کی بہن گوہر آرا نے آپ سے بیعت کی۔ انیسویں سال سلطان عبدالرحمن شاہ خراسان اور اس کی بیگم بیعت سے مشرف ہوئے۔ اکیسویں سال ترکستان و دشت و قباچق کے تمام خلی اور سلطان اپنے اپنے شکریمیت غائبانہ مرید ہوئے۔ بائیسویں سال شاہ سلیمان بادشاہ ایران رض سے تائب ہو کر غائبانہ مرید ہوا، اور اس کے ساتھ ہزار ہا شیوخ تائب ہو کر مرید ہوئے۔ تیسویں سال بادشاہ کاشغر غائبانہ مرید ہوا۔ چوبیسویں سال امام مین غائبانہ مرید ہوا۔ پچیسویں سال شیخ حبیب اللہ بخاری کو جو دسویں سال مرید ہوا تھا، خلافت دے کر بخارا میں بھیجا۔

وہاں ان کو قبولیت عامہ نصیب ہوئی۔ چھوٹے بڑے وسیع و شریف خوانین و سلاطین اور رعایا مرید ہوئی، اور چار سو نے درجہ تکمیل پر پہنچ کر ان سے خلافت پائی۔ ان کا سلسلہ عالیہ خراسان و ماوراء النہر میں بہت پھیلا۔ ستائیسویں سال حضرت نے اپنے خلیفہ خواجہ ارغوان کو خطا و چین میں بھیجا، اور اس کے ہاتھ پر وہاں کا بادشاہ لقب برتوان مسلمان ہو گیا۔ اٹھائیسویں سال آپ نے شیخ مراد کو خلافت سے کر بفرض اشاعت ملک شام میں بھیجا، وہاں آپ دمشق میں مقیم ہوئے، اور والی شام اور تمام امرار اور دیگر لوگ بکثرت ان کے حلقہ ارادت میں آئے، اور سلسلہ عالیہ اس ولایت میں پورے طور پر رائج ہوا۔ چونتیسویں سال بہت سے ارادت مندوں کے ساتھ آپ حج کے لئے تشریف لے گئے۔ چھتیسویں سال واپس آئے جب بندرگاہ سورت میں پہنچے تو ہر روز ہزار ہا آدمی مرید ہونے لگے۔ صبح و شام قریباً تیس ہزار آدمی حلقہ میں شامل ہوتے۔ مجموعہ خلق کی یہ کیفیت ہوئی کہ امرار و سلاطین کو آپ کی زیارت بدقت نصیب ہوتی۔

قصہ کوتاہ حضرت قیوم ثانیؒ کی کثرت ارشاد و مشیخت بیان سے باہر ہے۔ جناب پیر خیر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانے کے بعد کسی ولی اللہ کو اس قدر ارشاد و مشیخت نصیب نہیں ہوئی جتنا نچہ تاریخ مرات العالم و جہاں نما میں جو عالمگیر کے حکم سے لکھی گئی ہیں۔ یوں لکھا ہے کہ مشیخت کی مسند پر ہوئی ایسا شیخ نہیں بیٹھا، جیسا کہ شیخ محمد مصوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ جہاں کے تمام اطراف و جوانب کے بادشاہ ملکا، مشائخ چھوٹے بڑے و ضعیف و شریف مشرق سے مغرب اور جنوب سے شمال تک کے آنحضرت کے مرید تھے۔ لانا تھا خاص و عام بندگانِ خدا صبح و شام پروانوں کی طرح آنجناب پر جان فدا کرتے ہندوستان، توران ترکستان، بدخشان، دوشنت قبیاق، کاشغر، خطا، روم، شام اور یمن کے بادشاہ آنجناب کے

مرید ہوئے۔ روئے زمین کے مختلف حصوں کے لوگ آنحضرتؐ کو خواب میں دیکھ کر اور انبیاء و اولیاء سے عموماً خیر خیر پا کر حاضر خدمت ہو کر شرف بیعت سے مشرف ہوتے۔ مختلف ملکوں میں آنجناب کے خلفاء کی خدمت میں ہزار ہا آدمیوں کا مجمع رہتا۔ ہر روز سینکڑوں نئے مرید حاضر خدمت ہوتے، اور فنا و بقا اور پروردگار کا پورا پورا قرب حاصل کرتے۔ حضرت کی مجلس کا رعب اور دبہہ اس قدر تھا کہ مجلسِ اقدس میں بڑے بڑے بادشاہ آپس میں گفتگو نہ کر سکتے تھے۔ بغیر اجازت بات نہ کرتے۔ اگر بڑا فردوسی کام ہوتا تو کاغذ پر لکھ کر آپ کی خدمت میں پیش کرتے۔ عالمگیر بادشاہ پر اگر چہ آپ بدرجہ غایت مہربان تھے۔ لیکن پھر بھی بہ سبب غایتِ ادب اس نے آنجناب کے حضور میں کسی سے کبھی گفتگو نہ کی اور بغیر اذن نہ بیٹھا۔

چالیسویں سال خصوصیت سے تمام روئے زمین کے خلفاء مع اپنے مریدوں کے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بادشاہ اور امیر اپنی اپنی سلطنت اور امیری چھوڑ کر آپ کی زیارت کو آئے۔ چنانچہ خاندان توران و ترکستان، والیان و دشت قبیاق و بدخشان، فرمانروایانِ خطا و خراسان۔ تخت نشینانِ کاشغر و طبرستان، حاکمانِ قمتان و گرستان سب کے سب حضرت کے دیدار فائض الانوار کے واسطے شہر ہند میں حاضر ہوئے۔ شہر کے گرد ایک ایک میل تک لشکر پڑا تھا۔ اس سے پہلے کبھی ایسا مجمع نہیں ہوا۔ نماز کے وقت اس قدر ہجوم ہوتا کہ ایک دوسرے کی پیٹ پر سجدہ کرتے۔ بلکہ کھڑا ہونے کو بھی کافی جگہ نہ ملتی۔

چوالیسویں سال حضرت قیوم ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے مریدوں اور خلفاء کو حسب ذیل طور پر اپنے فرزندوں کے سپرد کیا۔ حضرت محمد صبیحۃ اللہ کو کابل اور اس کے گرد و نواح کے تمام پٹھان اور مغل مرید دیئے۔ بدخشان۔ ترکستان و دشت قبیاق، کاشغر و خطا روم، شام کے تمام مرید اور ہند کے بعض آدمی حضرت خواجہ محمد نقشبند حجتہ اللہ کے سپرد کئے۔



حسب ذیل خلفاء بھی ان کے سپرد ہوئے۔ خواجہ محمد حنیف کابلی، خواجہ محمد صدیق پشاوری، خواجہ  
عبد الصمد خون، موسیٰ ننگاروی، شیخ مراد شامی، خواجہ ارغون خطائی وغیرہ۔ شہزادہ اورنگزیب  
بھی آنجناب کے سپرد ہوا۔ جب حضرت حجۃ اللہ کابل گئے تو کابل کے تمام آدمیوں نے آپ  
سے رجوع کیا۔ حضرت خواجہ محمد عبید اللہ مروج الشریعت کو خراسان و ماوراء النہر،  
توران، دارگنج، غورسد، اندراب، قہستان، طبرستان اور سجستان کے علاقے سپرد  
کئے اور حسب ذیل خلفاء آپ کے ماتحت کئے:

شیخ ابو المنظر برہانپوری، شیخ حبیب اللہ بخاری، صوفی پابندہ طلا، شیخ ابوالقاسم  
بلخی وغیرہ، اور ہند کے اکثر امراء اور شہزادہ معظم شاہ بھی آپ کے سپرد ہوئے۔ آخر  
انہوں نے بھی حضرت حجۃ اللہ سے رجوع کیا۔ دکن اور پنجاب کے اکثر مرید اور خلفاء کو  
خواجہ محمد اشرف کے سپرد کیا۔ شہنشاہ اورنگزیب، اعظم شاہ، جعفر خاں، وزیر شاہ خاں،  
مکرم خاں، محترم خاں اور سلطان عبدالرحمن حضرت شیخ محمد سیف الدین کے سپرد کئے اور حسب ذیل  
خلفاء ان کے حوالے کئے۔ انہوں میں محمد حسن سیالکوٹی، صوفی پابندہ طلاس، شیخ ابوالقاسم عباسی  
وغیرہ۔ سلطان ہند نے آخر حجۃ اللہ سے رجوع کیا۔ حضرت محمد صدیق کو عرب، بحرین اور مشرقی  
ہند کے اکثر شہر سپرد کئے۔ بعد ازاں حضرت قیوم ثانی نے اپنے تمام خلفاء کو جہاں کے مختلف  
حصوں میں ۱۰۰، خلفاء ترکستان اور قباچاق میں بھیجے۔ ان کا سردار خواجہ محمد امین اور خواجہ  
عبدالرحمن کو بنایا۔ پانچ سو خلیفے کا شجر اور خطا کی طرف روانہ کئے اور ان کا سردار خواجہ ارغون  
کو مقرر فرمایا چار سو خلفاء شام اور روم کی طرف بھیج کر ان کا سردار شیخ مراد کو بنایا۔ سات سو خلفاء  
خراسان، بدخشان اور توران میں شیخ حبیب اللہ کے ماتحت کر کے بھیجے۔ ایک سو خلفاء  
کابل میں اور ایک سو خلفاء نواح پشاور میں بھیجے۔ بیس خلفاء ننگر پار میں بھیجے۔ ان سب کا سردار

خواجہ محمد حنیف، خواجہ محمد صدیق اور اخون موسیٰ کو مقدر فرمایا، اور کہتے ہیں کہ خلفاء اور فرزندوں کی وسالت کے بغیر براہ راست نولاکھ آدمی حضرت قیوم ثانیؑ کے مرید ہوئے آپ کے خلفاء کی تعداد سات ہزار تھی۔ جو سب کے سب صاحب کمالات تھے۔

## وفات

آپ کو وجع المفاصل کا مرض تھا۔ آخر عمر میں اس مرض نے بست غلبہ پایا۔ وفات سے دو تین روز پیشتر آپ نے قرب دجوار کے بزرگوں کو ایک رقمہ بدیں مضمون لکھا کہ وقت رحلت آپنچا ہے۔ دعا فرمائیں کہ خاتمہ بالخیر ہو۔ وفات سے ایک روز پیشتر جمعہ کے دن آپ مسجد میں تشریف لے گئے اور فرمایا: کہ امید نہیں کہ کل اس وقت تک دنیا میں رہوں، اور سب کو پسند و نصائح فرما کر خلوت میں تشریف لے گئے۔ صبح کو آپ نے نماز فجر کمال تعدیل ارکان کے ساتھ ادا کی۔ مراقبہ معمولہ کے بعد اشراق پڑھی۔ بعد ازاں سکرات موت آپ پر شروع ہو گئے۔ اس وقت آپ کی زبان مبارک جلد جلد چلتی تھی۔ صاحب زادوں نے کان لگا کر سنا تو معلوم ہوا کہ آپ یسّ تشریف پڑھتے تھے بغرض کہ

تسبیح کے دن دوپہر کے وقت ۹ ربیع الاول ۱۰۷۹ھ کو آپ نے وصال فرمایا:

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ط



649

649